عرضِ مؤلّف

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد:-

محترم جناب مولانا مفتی مطیع الرحمٰن صاحب استاذ و متخصص جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کی مرتب کردہ کتاب بعنوان **''ہدایت یا گمراہی''** ناشر: مکتبہ بنوریہ کراچی۔

اور محترم جناب مولانا محمد اسماعیل طورو صاحب متخصص جامعہ بنوری ٹاؤن کی مرتب کردہ کتاب بعنوان ''الہدیٰ انٹرنیشنل کیا ہے'' یہ دونوں کتابیں ہمارے ایک مخلص دوست محترم جناب بھائی محمد فیصل صاحب عطر والوں کے توسط سے یکم نومبر ۲۰۰۲ء کو ناچیز کے پاس پہنچیں بھائی فیصل صاحب اور چند دیگر احباب کی خواہش تھی کہ ان دونوں کتابوں کا جواب دیا جانا چاہیئے۔

بندہ نے دونوں کتابوں کا بغور مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ فاضل مرتبین ومؤلفین نے اِصلاح کے دامن کو شروع سے آخر تک چھوڑے رکھا۔

تنقید برائے تنقید تضیع اَوقات سے زیادہ کچھ فائدہ نہیں دیتی، اپنے فرقے کے علاوہ تمام فرقوں اور مسلکوں کو بغیر دلیل کے باطل قرار دینا، قرینِ انصاف نہیں ہے آپ دلائل کی بناء پر کسی سے بھی اِختلاف رکھ سکتے ہیں جو معیوب ہے نہ مذموم لیکن احکام ومسائل کے اِختلاف کو بنیاد بنا کر کسی شخص سے کلی طور پر دشمنی اختیار کر لینا ہر لحاظ سے نامناسب ہے اور ﴿ اُدعُ الیٰ سبیلِ ربّکَ بالحکمۃِ والمَوعِظۃِ الحسنۃِ ﴾ کے خلاف ہے۔

ہم ان شاء اللہ دونوں کتابوں کا الگ الگ جواب مرتب کریں گے تاہم جوابی سلسلے کی بسم اللہ ''ہدایت یا گمراہی'' کے جواب سے کر رہے ہیں کیونکہ اس کتاب کے ٹائٹل سے لے کر صفحہ نمبر ۱۰ تک کہیں بسم اللہ کا وجود نہیں ہے۔

صفحہ نمبر ۲ پر جملہ حقوق بسم اللہ کی برکت سے محروم ہیں، صفحہ نمبر ۳ سے فہرست کا آغاز ہوتا ہے لیکن فہرست بھی بسم اللہ کے فیوض سے محروم ہے۔

صفحہ نمبر ۷ پر محترم جناب مولانا مفتی نظام الدین صاحب شامزائی کی تقریظ وتصدیق ہے لیکن اس تصدیق کو بھی بسم اللہ کی سعادت حاصل نہ ہوسکی۔

شاید اس میں اہم نکتہ یہ ہو کہ رسولِ اکرم ﷺ کی سنت ہر اچھے کام سے پہلے بسم اللہ کہنے کی ہے گویا مرتب کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ تبلیغِ دین کا کام کرنے والے ان اداروں یا اشخاص کے خلاف قلم اٹھانا مستحسن نہیں ہے ہمارے نزدیک ترکِ بسم اللہ کی یہی اہم وجہ ہوسکتی ہے بلکہ اس موقعہ پر اعلیٰ حضرت جناب احمد رضا خان صاحب بریلوی کا واقعہ یاد آ رہا ہے جو ''ملفوظات'' میں مرقوم ہے۔

عرض کی گئی ''کیا کھانے کے وقت صرف شروع میں بسم اللہ پڑھ لینا کافی ہے؟''

ارشاد فرمایا، ''کافی ہے اور جو لوگ بسم اللہ نہیں پڑھتے ان کے کھانے میں شیطان شریک ہو جاتا ہے البتہ میں شیطان کو بھوکا ہی مارتا ہوں کیونکہ ہر چیز سے پہلے بسم اللہ پڑھتا ہوں مثلاً چھالیہ منہ میں ڈالی تو بسم اللہ اور پان منہ میں ڈالا تو بسم اللہ لیکن حُقّہ پینے سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھتا اس میں اگر شریک ہو پاتا ہوگا تو ضرور ہو پاتا ہوگا اور میں اُسے بھوکا تو مارتا ہی ہوں لیکن دھوئیں سے اس کا کلیجہ بھی جلاتا ہوں......''۔

(ملفوظات حصہ دوم ص ۲۵۱: مطبوعہ محمد علی کارخانہ کراچی)

۲۔ کتاب کا ٹائٹل دیکھ کر بے حد تعجب ہوا کہ آخر محترم مولانا مطیع الرحمٰن صاحب اور ان کے رفقاء جماعت عوام الناس کو کیا باور کرانا چاہتے ہیں؟

''ہدایت'' اور ''گمراہی'' کو دو مختلف رنگوں سے واضح کیا گیا ہے ہدایت کو سبز رنگ دیا گیا اور گمراہی کو سرخ رنگ سے ظاہر کیا گیا ہے۔

یہاں تک تو معاملہ بالکل درست ہے لیکن تعجب اس بات پر ہے کہ ''لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا'' کے صحیح مصداق بن کر محترم مولانا مفتی مطیع الرحمٰن صاحب نے جو سرخ رنگ گمراہی کو دیا ہے اس رنگ کے دائرے میں اپنے نام کو بھی رکھا اور اپنے رفقاء اکابر علماء (دیوبند) کو بھی رکھا اور سونے پر

سہاگہ یہ کہ ناشر مکتبہ بنوریہ کو بھی گمراہی کے رنگ میں رنگ دیا۔

کیا خبر تھی کہ خزاں ہوگی مقدر اپنا

ماحول بنایا تھا ہم نے بہاروں کیلئے

صاحبِ ''ہدایت یا گمراہی'' کا اسلوبِ تحریر دیکھ کر خوب اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف کسی موقف سے نہیں بلکہ کسی ذات سے اِختلاف رکھتے ہیں حالانکہ دلائل کی بنیاد پر اپنے نظریات قائم کرنا اور دلائل کی بنیاد پر کسی کے نظریات سے اِختلاف رکھنا نہ پہلے معیوب تھا اور نہ اب معیوب ہے لیکن کسی کی ذات کو ہدفِ تنقید بنانا اسلاف میں بھی پسندیدہ نہیں تھا اور فی زمانہ بھی محبوب نہیں ہے۔

اگرچہ شروع سے آخر تک محترم جناب مفتی مطیع الرحمٰن صاحب نے اپنی کتاب میں اصلاح کے دامن کو نظر انداز کیے رکھا، تاہم بندہ نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ فریقین سے خیر خواہی کی جائے اور اعتراضات میں پائی جانے والی تلخیوں اور نفرتوں کو بھی محبت کے امرت دھارا سے ختم کیا جائے قارئین کی سہولت کیلئے ''ہدایت یا گمراہی'' میں سے محترم جناب مفتی مطیع الرحمٰن صاحب کے اعتراضات بھی جوابات سے قبل نقل کر دیئے گئے ہیں تاکہ بات سمجھنے میں آسانی ہو اعتراضات کو لفظ ''اِعتراض'' سے اور جواب کو لفظ ''جواب'' سے ظاہر کیا گیا ہے جن جن مسائل میں محترم مفتی صاحب نے الجھاؤ پیدا کیا ہے یا الجھاؤ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، ان تمام مسائل کو جلی سُرخیوں سے نمایاں کر کے کتاب وسنت، کتب رجال، آثارِ صحابہ ﷺ اور ائمہ اربعہ کے اقوال سے سلجھاؤ کی مقدور بھر کوشش کی ہے ﷲ کرے یہ کتاب فریقین کے اِختلاف کے خاتمے کا سبب بنے، قارئین کیلئے فہمِ دین کا ذریعہ بنے، مؤلف اور معاونین کیلئے بارگاہِ ایزدی میں تقصیرات کی معافی کا باعث اور توشۂ آخرت ہو۔ (آمین)

اور آخر میں محترم جناب مولانا مفتی مطیع الرحمٰن صاحب کا اِنتہائی شکر گزار ہوں اور اُن کے لئے بارگاہِ الٰہی میں دعا گو ہوں جو بندہ کی گزارشات ومعروضات کے اصل محرک اور باعث ہیں۔ (وَلِلّٰہِ الْحَمد)

فقط____محتاجِ دعا:

وخادمِ دین:

ابوانشاء قاری خلیل الرحمٰن جاوید (مدیر)

abu_insha@hotmail.com

حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلالپوری نے ''ہدایت یا گمراہی'' کے مقدمہ میں صفحہ نمبر ۱۱ سے صفحہ نمبر ۳۱ تک جس قدر زہر اُ گلا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، محترم موصوف نے رسول اکرم ﷺ کی وہ تمام پیش گوئیاں جو آپ ﷺ نے اہل بدعت اور منکرین حدیث کیلئے فرمائی تھیں وہ تمام کی تمام محترمہ ڈاکٹر فرحت نسیم ہاشمی صاحبہ پر چسپاں کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔

محترمہ ڈاکٹر صاحبہ کا قصور صرف اِتنا ہے کہ وہ مسلم خواتین کو آنکھوں پر پٹی باندھ کر راہ چلنے کی تلقین کرنے کی بجائے ان کی آنکھوں سے پٹی کھول کر قرآن وسنت کی شمع ہاتھ میں پکڑا کر انہیں اس روشنی میں راہ چلنے کی تلقین کرتی ہیں۔

ہم دعا لکھتے رہے وہ دغا پڑھتے رہے
ایک ہی نقطے نے محرم سے مجرم کر دیا

ہم مفتی صاحب سے یہ پوچھنا چاہیں گے کہ

- کیا ہدایت ونجات ائمہ اربعہ کی تقلید پر موقوف ہے؟
- کیا ہدایت سے ہمکنار ہونے کیلئے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید ضروری ہے؟

اگر جواب ہاں میں ہے تو ان فقہاء سے پیشتر جو مسلمان تھے کیا وہ ان سے بہتر نہ تھے؟ جن کے بارہ میں نطق رسالت نے گواہی دی ہے'' خیر القرونِ قرنی''، فقہائے اربعہ سے قبل لوگ بلا واسطہ قرآن وسنت سے رہنمائی حاصل کیا کرتے تھے بنا بریں وہ نہ صرف یہ کہ مسلمان تھے بلکہ مثالی مسلمان تھے۔

جو چیز اس دور میں انہیں مثالی مسلمان بنا رہی ہے وہ چیز آج گمراہی کا سبب کیوں بن گئی؟

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ	آج میں نے مکمل کر دیا تم پر اپنا
دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ	دین اور پوری کر دیں تم پر اپنی
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ	تمام نعمتیں اور تمہارے لیے
لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا	بطور دین کے میں نے اسلام
(سورۃ المائدہ:۳)	کو پسند کیا ہے۔

کا سرٹیفکیٹ دے کر اللہ رب العزت نے تکمیل دین کا اعلان کر دیا اور یہ اعلان رحمتِ عالم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں ہو گیا اس اعلان کے بعد بھی کوئی پیاسا رہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا اس آیتِ کریمہ پر ایمان ہی نہیں ہے اور یہ دین کا بہت بڑا نقص ہے اللہ ﷻ ہمیں محفوظ فرمائے۔ (آمین)

حالتِ حیض میں تلاوتِ قرآن کی شرعی حیثیت

اِعتراض ۱:-

۱۔ صاحبِ ''ہدایت یا گمراہی'' نے محترمہ ڈاکٹر فرحت صاحبہ کے موقف پر تنقید کرتے ہوئے لکھا '' ہے اُن کے گمراہ کن مسائل میں سے ایک یہ ہے کہ وہ حالتِ حیض میں قرآن مجید پڑھنے کو جائز قرار دیتی ہیں''۔

(ھدایت یا گمراہی: ص ۲۵)

۲۔ ''محترمہ کا نظریہ ہے کہ حائضہ عورت قرآن پڑھ سکتی ہے اس کو چھو سکتی ہے ڈاکٹر صاحبہ کہتی ہیں کہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے منع کیا ہے''۔

(ہدایت یا گمراہی: ص ۸۷، بحوالہ روزنامہ نوائے وقت ۱۷ مارچ ۲۰۰۲ء)

جواب:-

یہ نظریہ صرف محترمہ ڈاکٹر فرحت صاحبہ کا نہیں ہے بلکہ بہت سے علماء کرام اس کے قائل ہیں۔

ایک فریق کا یہ موقف ہے کہ حائضہ، جنبی اور نفاس والی عورت نہ تو قرآن چھو سکتی ہے اور نہ تلاوت کر سکتی ہے، اس موقف کی دلیل کتب احادیث میں مروی وہ روایت ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

﴿لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئاً من القرآن﴾

(ترمذی: ج ۱ ص ۱۹، أبوداؤد: ج ۱ ص ۳۰، إبن ماجه: ج ۱ ص ۴۴)

یعنی حائضہ اور جنبی (چاہے مرد ہو یا عورت) قرآن میں سے کچھ بھی نہ پڑھے اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حائضہ اور جنبی قرآن کی تلاوت نہیں کر سکتے، ہاتھ لگانا تو بہت دور کی بات ہے۔

لیکن بنظرِ تحقیق دیکھا جائے تو یہ روایت بوجہ اسماعیل بن عیاش کے صحت کے درجے کو نہیں پہنچتی۔

خود امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اسے معلول قرار دیا ہے۔ [۱]

اسی صفحہ پر موجود امام ترمذی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالے سے اسماعیل بن عیاش کی ان تمام روایات کو ضعیف قرار دیا ہے جس میں وہ منفرد ہو اور اس تفرد کی گواہی بھی امام ترمذی رحمہ اللہ نے خود دی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

﴿لانعرفه الا من حديث اسماعيل بن عياش﴾ (ترمذی: ج ۱ ص ۱۹)

امام ترمذی رحمہ اللہ کے قول سے ہی ثابت ہوا کہ اس روایت کو بیان کرنے میں اسماعیل بن عیاش منفرد ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کے قول سے معلوم ہوا کہ جن روایات میں اسماعیل بن عیاش منفرد ہو وہ ضعیف ہیں۔

لہٰذا یہ روایت ضعیف ٹھہری لیکن حسبِ عادت محترم مفتی مطیع الرحمٰن صاحب اس عبارت سے تجاہل عارفانہ کا ثبوت دیتے ہوئے چشم پوشی فرما گئے۔

---

[۱] معلول اُس روایت کو کہا جاتا ہے جس کی سند بظاہر صحیح اور متصل معلوم ہو لیکن اُس میں کچھ مخفی اُمور، اوہام و اغلاطِ رواۃ آ جائیں جن کی بنا پر حدیث صحیح نہ رہے

صاحبِ عون المعبود فرماتے ہیں کہ حائضہ اور جنبی کیلئے قرأتِ قرآن کی ممانعت میں متعدد احادیث مروی ہیں لیکن سب میں ضعف و مقال ہے۔

۲۔ اگرچہ صاحبِ ’’ہدایت یا گمراہی‘‘ نے اپنے کمزور موقف کی تائید میں امام ترمذی رحمہ اللہ کے ایک قول کو بیساکھیاں تصور کرتے ہوئے نقل کیا ہے:

وهو قول أكثر أهل العلم	یہ اکثر اہل علم کا قول ہے صحابہ
من أصحاب النبي ﷺ	کرام رضی اللہ عنہم سے اور تابعین رحمہ اللہ
والتابعين ومن بعدهم	سے اور ان کے بعد والوں میں
مثل سفيان الثوري وإبن	سے مثل سفیان ثوری رحمہ اللہ،
المبارك والشافعي	اِبن مبارک رحمہ اللہ، شافعی رحمہ اللہ،
وأحمد وإسحاق	احمد رحمہ اللہ اور اسحاق رحمہ اللہ کے۔

تاہم امام ترمذی رحمہ اللہ کا یہ قول مفتی صاحب کی دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ جس روایت کی بنیاد پر یہ کہا گیا ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ بذاتِ خود اُس روایت کو معلول اور ضعیف قرار دے چکے ہیں۔ اور اگر امام ترمذی رحمہ اللہ کا قول

﴿وھو قول أکثر أھل العلم .... الخ﴾

صاحب ''ہدایت یا گمراہی'' کیلئے فتح کا نشان ہے تو اس طرح کے بے شمار مقامات ہیں جہاں امام ترمذی رحمہ اللہ کے ایسے تجزیئے ترمذی شریف کی زینت ہیں، انہیں کیوں حجت نہیں مان لیا جاتا مثلاً حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ''لا صلوٰۃ لمن یقرأ بفاتحۃ الکتاب'' کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا یہ روایت نقل کرنے کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وھذا أصح والعمل علی ھذا الحدیث فی القراء ۃ خلف الإمام عند أکثر أھل العلم من أصحاب النبی ﷺ والتابعین وھو قول مالک بن أنس و إبن المبارک والشافعی وأحمد و إسحاق یرون القراء ۃ خلف الامام﴾ (ترمذی: ص ۴۱ درسی نسخہ)

اور یہ بات سب سے زیادہ صحیح ہے اور اسی حدیث پر عمل ہے قرأۃ خلف الامام کے مسئلہ میں اکثر اہل علم، صحابہ کرام اور تابعین کے نزدیک اور یہی قول ہے امام مالک رحمہ اللہ کا، عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا، امام شافعی رحمہ اللہ ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور اسحاق رحمہ اللہ کا یہ تمام ائمہ کرام قراءۃ خلف الامام کے قائل تھے۔ (فما کان جوابکم فھو جوابنا)

لہٰذا حائضہ اور نفاسہ کیلئے قرأتِ قرآن سے ممانعت والی کوئی بھی روایت صحت کے درجے کو نہیں پہنچتی اس لئے حائضہ اور نفاس والی کیلئے قرأتِ قرآن میں رخصت دی جا سکتی ہے۔

جنبی کیلئے (چاہے وہ مرد ہو یا عورت) الگ سے صراحت موجود ہے کہ نہ وہ قرآن کو چھوئے اور نہ تلاوت کرے جنابت پر حیض اور نفاس کی حالت کو قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جنابت کے بعد طہارت کا حصول مرد و عورت کے اختیار میں ہے، وہ جب بھی غسلِ جنابت کر لیں گے انہیں طہارت حاصل ہو جائے گی جب کہ حیض اور نفاس کا معاملہ عورت کے اختیار میں نہیں ہے حیض یا نفاس کی حالت میں اگر غسل کر بھی لے تب بھی پاک نہیں ہو گی۔

اس لئے کہ حیض اور نفاس کی ایک مخصوص مدت ہے اور اُس مدت تک رہتا ہے لہٰذا حیض اور نفاس کو جنابت پر قیاس کرنا قطعی غلط ہے۔

صحیح بخاری میں مذکور ہے:

﴿قال إبن عباس أخبرنی أبو سفیان أن ھر قل دعا بکتاب النبیّ ﷺ فقرأہ فاذا فیہ بِسْمِ اللہِ الرّحمٰن الرّحیم ویا أھل الکتب تعالوا إلٰی کلمۃٍ سواءٍ بینَنَا وَبَینکم أن لا نعبُدَ إلا اللہ ولا نشرک بہٖ شیأ إلٰی قولہٖ مسلمون٥﴾ (بخاری: ج ۱ ص ۴۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے ابوسفیان نے بتایا کہ ہرقل نے نبی کریم ﷺ کا نامہ مبارک منگوایا اور اسے پڑھنا شروع کیا تو اس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان درج تھا۔ ﴿بسم اللہ الرحمن الرحیم ویا أھل الکتب تعالوا إلی کلمۃ سواءٍ بیننا وبینکم أن لا نعبدَ إلا اللہ ولا نشرک بہٖ شیأ إلیٰ قولہ مسلمون٥﴾ (بخاری: ج ۱ ص ۴۴)

یہ حدیث اس کی واضح دلیل بن سکتی ہے کہ ہرقل جیسا مشرک جسے قرآن نجس کہتا ہے، جب اس کے خط میں رسول اکرم ﷺ نے قرآن کی آیت لکھی اور اس نے پڑھی، تو ایک مؤمنہ عورت جو محض قدرتی امر کی وجہ سے مجبور ہے وہ قرآن کی تلاوت کیوں نہیں کر سکتی......؟

مذکورہ دلائل سے ثابت ہوتا ہے جنبی اور حائضہ کے احکامات مختلف ہیں چونکہ حائضہ عورت اور نفاس والی قدرتی امر کی بنا پر مجبور ہے، جبکہ مشرکین کے بارہ میں قرآنِ مجید میں یہ صراحت ہے۔

﴿اِنّما المُشرکونَ نَجَسٌ﴾ ''مشرک پلید ہیں''

ان پلید اور ناپاک شخصیات کو رحمتِ عالم ﷺ نے دعوتِ اسلام دیتے ہوئے قرآنِ مجید کی آیات کو ان کی طرف بھیجے جانے والے خطوط کی زینت

بنایا جسے نہ صرف ان ناپاک شخصیات نے پڑھا بلکہ نامۂ مبارک کو اپنے ہاتھوں سے چھوا، کھولا، دیکھا پھر پڑھا۔

مخالفین دوسری دلیل یہ دیا کرتے ہیں کہ حدیث میں وارد ہے

﴿لا یمس القرآن الا طاھرا﴾

(دارقطنی مع مغنی: ج ۱ ص ۱۲۲)

قرآن کو طاہر کے سوا کوئی نہ چھوئے۔

لیکن اس کی تفسیر بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک مجلس میں آئے لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مجلس سے نکل گئے، جب مجلس میں واپس آئے تو سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿سبحان الله إن المؤمن لا ینجُس﴾

کہ مومن نجس نہیں ہوتا یعنی طاہر ہی رہتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ "الا طاھر" سے مراد "الا مؤمن" ہے، یعنی کافر قرآن مجید کو نہ چھوئے، مومن چھو سکتا ہے۔

مسلم شریف کی صحیح حدیث میں ہے کہ:

﴿کان رسول الله ﷺ یذکر الله علی کل أحیانه﴾

کہ نبی کریم ﷺ ہر حال میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ذکر کیا کرتے تھے۔

اور اللہ کے ذکر میں قرآنِ مجید بھی داخل ہے۔ مخالفین کی تیسری دلیل

﴿لا یقرأ الحائض ولا الجنب ولا النفساء من القرآن شیئا﴾ (دارقطنی مع مغنی: ج ۱ ص ۱۲۱ م شیش محل لاھور)

لیکن سچ یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے اور اس میں یحیٰ بن ابی انیسۃ کذاب ہے۔ (دارقطنی مع مغنی: ج ۱ ص ۱۲۱ م شیش محل لاھور)

دوسری روایت جو مرفوع بیان کی گئی ہے وہ بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی، اس کی سند میں "محمد بن الفضل" ہے جسے محدثین نے "متروک الحدیث" قرار دیا ہے، اور اس پر احادیث گھڑنے کا بھی الزام ہے۔

(دارقطنی مع مغنی: ج ۱ ص ۱۲۱ م شیش محل لاھور)

امام شوکانی رحمہ اللہ ان دونوں احادیث کے بارہ میں لکھتے ہیں:

﴿لا یصلحان للاحتجاج بھما علیٰ ذالک فلا یصار إلیٰ القول بالتحریم إلا بدلیل﴾ (نیل الأوطار ج ۱ ص ۴۴۶)

کہ ان دونوں حدیثوں کو حائضہ عورتوں کیلئے قرآنِ مجید کی تلاوت کی ممانعت کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا اور بغیر دلیل کے اُسے حرام نہیں کہا جا سکتا۔

مزید یہ کہ سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ ابن باز رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے کہ ایسی عورت قرآن کو چھو نہیں سکتی، البتہ زبانی پڑھ سکتی ہے لیکن اس کی کوئی دلیل نقل نہیں کی۔

اس موقف کے مخالفین قرآنِ مجید کی آیت سے بھی اِستدلال کرتے ہیں لیکن وہ استدلال درست نہیں ہے کیونکہ یہ آیت قرآنِ مجید کے چھونے کے بارے میں نہیں ہے۔

اِس آیت کے سیاق وسباق کا غور سے مطالعہ کریں تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ قرآن مجید کے متعلق نہیں بلکہ لوحِ محفوظ کے متعلق کہی گئی ہے۔

﴿لا یمسه﴾ کی ضمیر کا مرجع ﴿فی کتاب مکنون﴾ ہے اور ﴿لا یمسه﴾ سے مراد فرشتے ہیں، تو اس آیت کا معنی ہے کہ "لوح محفوظ کو فرشتوں کے سوا کوئی نہیں چھوتا۔"

﴿المطهرون﴾ سے بھی مراد فرشتے ہیں، اس بات پر

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے علاوہ تابعین کی بہت بڑی جماعت متفق ہے، حتیٰ کہ احناف کی تفسیر روحُ المعانی میں ہے:

﴿إن المراد بالمطهرين الملائكة مروى من
عدة طرق عن إبن عباس و كذا أخرجه جماعة
عن أنس وقتادة وإبن جبير و مجاهد وأبى
العالية وغيرهم﴾

اِبن کثیر میں بھی اس معنی کی عبارت موجود ہے کہ مطہرین سے مراد فرشتے ہیں یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کئی اَسناد کے ساتھ مروی ہے اور انس رضی اللہ عنہ سے بھی ایک جماعت نے اس کو روایت کیا ہے۔

تفسیر رازی میں ہے:

﴿الضمير عائد إلىٰ الكتاب على الصحيح﴾

کہ "لا يمسه" کی ضمیر صحیح قول کے مطابق کتاب (لوحِ محفوظ)
کی طرف راجع ہے۔

مسلم شریف کی حدیث ہے رسول اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: مجھے مسجد سے جائے نماز پکڑا دو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اے اللہ کے رسول! میں تو حالتِ حیض میں ہوں (میں ناپاکی کی حالت میں ہوں اس لئے جائے نماز کو کیسے ہاتھ لگاؤں) آپ ﷺ نے فرمایا!

﴿ان حيضتَكِ ليستْ في يدِكِ﴾ (مسلم: ج ۱ ص ۱۴۳)

عائشہؓ حیض کا اثر تیرے ہاتھوں میں نہیں ہے مجھے جائے نماز اٹھا دو۔

نبی اکرم ﷺ کے یہ الفاظ اس مسئلہ میں نص کی حیثیت رکھتے ہیں کہ حیض کی نجاست ہاتھ کے اندر نہیں ہے بلکہ حیض کی حالت میں ہاتھ پاک رہتا ہے۔

اس ساری وضاحت کے باوجود بھی اگر مسلمان عورت زیادہ تعظیم اور احترام کے پیشِ نظر قرآن مجید کو نہ چھونا چاہے تو اسے اختیار ہے، ہماری ساری بحث صرف جواز کے لیے ہے، وہ اگر اپنے دل کی تسلی کے لیے کوئی صاف ستھرا کپڑا قرآنِ مجید کو پکڑنے اَور اَوراق اُلٹانے کیلئے استعمال کرلے تو بہتر ہے۔ اور اس طریقہ کار سے علماء کے اِختلاف سے بھی نکل جائے گی۔

ایسی صورت میں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿جائز بلا خلاف﴾ (شرح المهذب: ج ۲ ص ۳۷۲)

کہ اس کے جواز میں کسی کو اِختلاف نہیں۔

مندرجہ بالا شواہد کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس مسئلہ میں محترمہ ڈاکٹر صاحبہ کا موقف بالکل درست اور کتاب وسنت کے مطابق ہے۔

(واللہ اعلم)

قضائے عمری

اِعتراض۲:-

نمازفوت ہوجائے تواسکی بعدمیں قضاء پڑھنالازم ہے کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس میں رہ جانے والی نماز بعدمیں باجماعت قضا کی تھی۔ (ہدایت یا گمراہی:ص۲۵)

جواب:-

درحقیقت بحث کوعمداً خلط مبحث کا شکار کیا جارہا ہے جتنی عبارت اوپر درج ہے اتنی عبارت کا کوئی بھی مخالف نہیں ہے تمام مکتبۂ فکر کے لوگ علماء

کرام مفتیانِ عظام اس بات کے قائل ہیں کہ نماز فوت ہو جائے تو اسے لازمی طور پر ادا کیا جانا چاہئے اور ادائیگی ہی اس کا کفارہ ہے حتی کہ محترمہ ڈاکٹر فرحت صاحبہ کا بھی یہی نظریہ ہے لیکن ظلم یہ ہے کہ عذر سے چھوٹ جانے والی نماز میں اور بغیر عذر کے عمداً چھوڑ دی جانے والی نماز میں فرق کو ملحوظِ خاطر نہیں رکھا جا رہا حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ دانستہ جرم اور نادانستہ جرم برابر نہیں ہیں دانستہ جرم میں مجرم سراسر قصوروار ہوتا ہے جبکہ نادانستہ جرم میں وہ سراسر بے قصور ہوتا ہے جب دونوں کے جرم برابر نہیں ہیں تو دونوں کے کفارے دونوں کی سزائیں اور دونوں کے انجام یکساں کیونکر ہو سکتے ہیں۔

مثلاً: ایک شخص لیٹا اور آنکھ لگ گئی نہ وہ اذان کی آواز سن سکا اور نہ ٹائم دیکھ سکا حتی کہ نماز کا وقت نکل گیا، تب آنکھ کھلی جبکہ دوسرا شخص تاش کھیلنے بیٹھا اسے اذان سنائی دی، گھڑی پر ٹائم بھی نظر آیا لیکن جوئے کی ایسی لت پڑی ہے کہ اسے احکامِ الٰہی کی پرواہ ہی نہیں ہے۔ کیا یہ دونوں شخص برابر کے قصوروار ہیں؟ ہرگز نہیں......

ایک شخص کی دکان پر گاہکوں کا رش ہے اور وہ اس رش میں ایسا منہمک ہوا کہ نہ اسے اذان سنائی دی اور نہ گھڑی کی طرف نظر پڑی۔

جبکہ دوسرا شخص مسجد کے باہر مسجد کی دیوار کے ساتھ چارپائی ڈال کر حقہ پینے میں مصروف ہے وہ اذان بھی سنتا ہے، مکبر کی تکبیر بھی سنتا ہے امام کی قرأت بھی سن رہا ہے لیکن حقے کا مزہ چھوڑ کر مسجد میں حاضری اسے پسند نہیں ہے تو کیا یہ دونوں شخص برابر کے مجرم ہیں؟

ہرگز نہیں! اللہ رب العزت تو انصاف کرنے والا ہے، شریعت نے قاصد اور غیر قاصد کے احکام میں فرق رکھا ہے۔

قتلِ عمد اور قتلِ خطاء میں فرق رکھا ہے، روزے کی حالت میں عمداً کھا پی لینے اور بھول کر کھا پی لینے میں فرق ہے۔

اسی طرح سو جانے سے بھول جانے سے یا بے توجہی (غفلت) سے کوئی نماز چھوٹ جائے تو اسے جاگتے ہی، یاد آتے ہی اور توجہ بحال ہوتے ہی فوراً ادا کرے یہی اس کا کفارہ ہے۔

لیکن اس کے مقابلے میں دوسرا شخص جو نہ سویا ہے، نہ بھولا ہے اور نہ غافل ہے بلکہ وہ باغی ہے اور اسی بغاوت پر اس نے عمرِ عزیز کے اسّی (۸۰) برس گنوا دیے تو اس کا کفارہ تو تب ادا کرے گا جب احکم الحاکمین اس کا کفارہ قبول کرنے پر راضی ہوگا۔

بھولنے والے یا سو جانے والے کیلئے تو نطقِ رسالت نے یہ شہادت دے دی ہے کہ جیسے آنکھ کھلے اور یاد آئے تو فی الفور اسے ادا کرے لیکن اس باغی کیلئے شارع علیہ السلام کی یہ ہدایت کہاں مروی ہے کہ وہ اسّی (۸۰) برس اپنی پچھلی نمازیں ہر نماز کے ساتھ ایک ایک کر کے دہراتا رہے جسے پورا کرنے کیلئے مزید اسّی (۸۰) سال عمر درکار ہے جو ان کے پاس نہیں ہوتی پھر وہ علامہ اقبال کے درج ذیل شعر کی بگڑی ہوئی شکل کے مصداق بن کر نہایت کسمپرسی کے عالم میں زندگی گزار جاتے ہیں۔

ے
یہ باغی یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ قضائی

ظلم تو یہ ہے کہ لیلۃ التعریس میں بوجہ آنکھ نہ کھلنے کے رہ جانی والی نماز کو قضائے عمری کی دلیل بنایا جا رہا ہے حالانکہ رسول اکرم ﷺ نے آنکھ کھلتے ہی حوائج ضروریہ سے فراغت کے بعد سب سے پہلے نماز کی ادائیگی کا حکم دیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

﴿یا نبی اللہ نقضیهما لو قتهما من الغداۃ﴾

اے اللہ کے نبی ﷺ! کیا ہم انہیں آنے والے کل میں ان کے وقت پر ادا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿أینهٰا کم اللہ عن الربا و یقبلہ منکم﴾

اللہ نے تمہیں سود سے منع کیا ہے پھر وہ خود تم سے کیسے قبول کرے گا۔

گویا رسول اکرم ﷺ نے تو ایک دن کی تاخیر کی اجازت بھی پسند نہیں فرمائی اور آنکھ کھلتے ہی اسی وقت ادائیگی کا حکم دے دیا جبکہ صاحب ''ہدایت یا گمراہی'' اسے ۷۰،۸۰ برس بعد ادائیگی کا حکم دیتے ہیں اس کی کیا دلیل ہے؟

اِعتراض ۳:-

محترمہ کا نظریہ ہے کہ جو نمازیں جان بوجھ کر نہ پڑھی ہوں ان کی قضاء نہیں صرف توبہ واستغفار کافی ہے محترمہ کا یہ نظریہ صراحتاً قرآن وحدیث کے خلاف ہے اور یہ مسئلہ ظواہر سے اخذ کیا گیا ہے۔ (ہدایت یا گمراہی: ص ۵۸)

جواب:-

مفتی صاحب نے بڑے وثوق سے لکھا ہے کہ محترمہ ڈاکٹر صاحبہ کا یہ نظریہ قرآن وحدیث کے صراحتاً خلاف ہے لیکن وہ قرآن اور حدیث پیش کرنے سے تاحال قاصر ہیں کیونکہ دعویٰ حقیقت کے خلاف اور بلا دلیل ہے۔ ایسی آیت یا حدیث جس میں یہ صراحت ہو کہ جس نے عمداً ۷۰،۸۰ برس کی نمازیں چھوڑ دی ہوں وہ اپنی بقیہ زندگی میں ایک ایک کر کے ادا کرتا رہے اس کی دلیل نہ تو محترم مفتی تقی عثمانی صاحب نے اپنے اس مضمون میں دی جو البلاغ میں شائع ہوا اور نہ صاحب ''ہدایت یا گمراہی'' نے اپنی اس کتاب میں دی۔

جس طرح مسلک کی دیگر عمارت قیاس آرائیوں پر قائم ہے اسی طرح یہ اینٹ بھی قیاس کے مصالحے کے ساتھ لگا دی گئی۔ (إناللّٰہ وإناإلیہ راجعون)

اِعتراض ٤:-

احکام القرآن ۳/ ۲۸۸ کے حوالہ سے صاحب ''ہدایت یا گمراہی'' نے ص ۵۹ پر جو عبارت نقل کی ہے وہ عبارت چونکہ ان کے اپنے موقف کے خلاف تھی اس لئے عوام الناس سے اوجھل رکھنے کیلئے اس کا ترجمہ نقل نہیں کیا اس میں بھی یہ صراحت ہے جن فوت شدہ نمازوں کی قضاء پر وجوب کا فتویٰ ہے وہ نماز ''المنسیۃ'' ہے یعنی جو بھولے سے رہ گئی ہو۔

اسکے تو سبھی قائل ہیں جسکا ذکر ہم اس بحث کے آغاز میں کر چکے ہیں۔

اِعتراض ٥:-

علامہ عبدالرحمٰن شافعی کا قول نقل کیا گیا:

﴿اتفقوا علیٰ وجوب قضاء الفوائت﴾

کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فوت شدہ نمازوں کی قضا کرنا ضروری ہے۔ (ھدایت یا گمراھی: ص ٥٩)

جواب:-

اس پر بھی ہماری گزارش یہی ہے کہ عمداً ترک کی جانے والی نماز کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

اِعتراض ٦:-

محترم مفتی صاحب فرماتے ہیں:

﴿اقم الصلوٰۃ لذکری﴾ (سورہ طٰہٰ: ١٤)

اس آیت کی جہاں بہت سی تفسیریں کی گئی ہیں وہاں ایک تفسیر امام رازی رحمہ اللہ نے یہ بھی کی ہے کہ

﴿اقم الصلوٰۃ حین تذکرھا ای انک

﴿اذا نسيت صلوٰة فاقمها اذا ذكرتها﴾

کہ تم نماز کو قائم کرو جب تمہیں یاد آئے یعنی جب تم کسی نماز کو بھول جاؤ، تو جب تمہیں یاد آ جائے تو اسکی قضا کرو۔ (ہدایت یا گمراہی: ص ۶۰)

جواب:-

مفتی صاحب اپنے اِعتراض میں یہ بات خود تسلیم کر چکے ہیں کہ "محترمہ کا نظریہ ہے کہ جو نمازیں جان بوجھ کر نہ پڑھی ہوں ان کی قضا نہیں" اس کے باوجود جتنے ورق سیاہ کر رہے ہیں اس میں ایک حوالہ بھی ابھی تک ایسا نہیں دیا جس میں جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے کیلئے ادائیگی کا یہ حکم ہو۔

امام رازی رحمہ اللہ کی تفسیر کا حوالہ دیتے ہوئے مفتی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس کا جواب بھی خود ہی لکھ دیا ہے:

﴿ای انک اذا نسيت صلوٰة فاقمها اذا ذكرتها﴾

جب تم کسی نماز کو بھول جاؤ تو جب یاد آئے تب پڑھ لو۔ (تفسیر کبیر)

مفتی صاحب کی یہ دلیل محترمہ ڈاکٹر فرحت صاحبہ کے موقف کے خلاف نہیں ہے چونکہ بھول سے رہ جانے والی نماز یا نیند سے قضا ہو جانے والی نماز کی ادائیگی کا ہرگز انکار نہیں کرتیں جس چیز سے انہیں انکار ہے اس کے اثبات کی دلیل مفتی صاحب کے پاس نہیں ہے اور جو چیز انہیں تسلیم ہے اس کے دلائل پہ دلائل دیئے جا رہے ہیں۔

اِبتداء میں مفتی صاحب کا دعویٰ یہ تھا کہ محترمہ کا یہ موقف قرآن وحدیث کے صریحاً خلاف ہے اتنے بڑے دعوے کے باوجود وہ صریح نص قرآنی یا نص حدیث تاحال پیش کرنے سے قاصر ہیں اور پیش بھی کہاں سے کریں؟ کچھ سامنے ہو تو پیش کریں۔

اعتراض ۷:-

﴿عن ابی عبيدة بن عبدالله بن مسعود قال قال إن المشركين منعوا رسول الله ﷺ عن اربع صلوات يوم الخندق حتى ذهب منا الليل ماشاء الله فامر بلا لا فاذن ثم اقام فصلى العصر ثم اقام فصلى المغرب ثم اقام فصلى العشاء﴾ (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا غزوہ خندق کے دن مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو چار نمازیں پڑھنے سے روکے رکھا یہاں تک کہ رات کا اتنا حصہ چلا گیا جتنا اللہ نے چاہا پھر اقامت کہی، پس ظہر پڑھی، پھر اقامت کہی تو عصر پڑھی، پھر اقامت کہی تو مغرب پڑھی، پھر اقامت کہی تو عشاء پڑھی۔ (ہدایت یا گمراہی: ص ۶۰)

جواب:-

اس کے جواب میں ہم اپنی طرف سے کچھ عرض کرنا مناسب نہیں سمجھتے وہ تین سطور جو محترم مفتی صاحب نے بطور توضیح کے درج فرمائی ہیں ہماری طرف سے بھی وہی کافی ہیں۔

"واضح رہے کہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کی یہ نمازیں بھول وغفلت سے قضاء نہیں ہوئیں بلکہ معلوم تھا کہ ہماری نمازیں قضا ہو رہی ہیں لیکن جنگ کی مصروفیت کے عذر سے وقت پر نہ پڑھ سکے پھر قضاء پڑھیں"۔

(ہدایت یا گمراہی: ص ۶۱)

اِعتراض ۸:-

امام نووی رحمہ اللہ کے قول سے محترم مفتی صاحب اپنے موقف کے لئے بیساکھیوں کا کام لیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شارح مسلم نے لکھا ہے نماز چاہے عذر سے چھوٹے یا بغیر عذر کے اُسے قضا کرنا چاہیئے۔ (ہدایت یا گمراہی: ص ۶۲)

جواب:-

جو بات قرآن وحدیث کی نصوص کے بلند و بانگ دعووں سے شروع ہوئی تھی وہ آخر کار امام نووی رحمہ اللہ کے قول پر ختم ہوئی، لیکن افسوس یہ کہ عمداً تارک صلوٰۃ کیلئے صراحت اس قول میں بھی نہیں ہے۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دِل کا
جو چیرا تو ایک قطرۂ خوں بھی نہ نکلا

نوٹ:- اگر قارئین کرام کو قضائے عمری کے مسئلے پر تفصیلی جواب درکار ہو تو وہ ہماری کتاب **''قضائے عمری''** کا مطالعہ فرمائیں ان شاء اللہ مفید ہوگا یہ کتاب محترم مفتی تقی عثمانی صاحب کے البلاغ میں شائع ہونے والے فتوے کے جواب میں لکھی گئی ہے۔

قضائے عمری نماز سے روکنے کی ایک سازش

محترم مفتی صاحب نے اس طویل بحث کو ختم کرتے ہوئے اختتامی کلمات کے طور پر قضائے عمری کے منع کرنے کو نماز سے روکنے کی ایک سازش قرار دیا ہے۔ (ہدایت یا گمراہی: ص ۶۵)

حالانکہ اگر احباب غور فرمائیں تو نماز سے روکنے کی سازش قضائے عمری کا فتویٰ ہے قضائے عمری سے روکنا نمازوں کی ترغیب ہے۔

ہمارے ایک دوست محترم جناب عبدالشکور صاحب بٹ کے ایک کرایہ دار جو عرصہ دراز سے نماز نہیں پڑھ رہے تھے انہیں ایک دن بٹ صاحب اپنے ہمراہ درسِ قرآن کی نشست میں لائے عشاء کے بعد درس قرآن ہوتا تھا اور سوال و جواب کی ایک نشست بھی ہوتی تھی انہوں نے بتایا کہ یہ میرے کرایہ دار ہیں ان کا مسئلہ یہ ہے کہ اب انہیں نماز کا شوق ہوا ہے۔

لیکن اب تک جن علماء کے پاس گئے ہیں انہوں نے انہیں یہی بتایا ہے کہ پچھلی تمام نمازیں قضاء کرنی پڑیں گی ان کے اس فتوے سے یہ خائف ہیں اور اس ڈر کی بنا پر ابھی تک انہوں نے نماز شروع نہیں کی ان کا کہنا ہے کہ آئندہ ترک نہ کرنے کا انتظام تو ہوسکتا ہے لیکن چالیس سال کی پچھلی نمازیں ادا کرنی میرے بس میں نہیں ہیں۔

اگر مجھے اس کا ثبوت مل جائے کہ اللہ تعالیٰ میری ندامت پر میری سابقہ زندگی کو معاف فرمادے گا تو میں آئندہ کبھی بھی نماز ترک نہیں کروں گا۔

اس طرح ہزاروں انسانوں کو قیاس آرائیوں پر مبنی فتووں نے خوفزدہ کر رکھا ہے۔

مسلم شریف کی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سو آدمیوں کے قاتل کو بھی معاف فرمادیا تھا ان مقتولین میں ایک مقتول وہ مفتی تھا جو اسے اس بات سے ڈرا رہا تھا کہ تو نے ۹۹ قتل کئے ہیں اب تیرے لئے معافی کی کوئی صورت نہیں اس نے اسے بھی قتل کر کے سو پورے کر دیئے اندازہ لگایئے اللہ رب العزت کی بے پایاں رحمت کا کہ اس نے صدق دل سے توبہ کرنے والے کو نہ صرف ننانوے قتل معاف کیے بلکہ مفتی کا قتل بھی معاف فرمادیا۔

شاید اس لئے کہ اس مفتی نے اللہ کی لامحدود رحمت کو محدود کرنے کی کوشش کی تھی اور لوگوں کے دلوں میں امید کی شمع روشن کرنے کی بجائے مایوسی پیدا کی. (فاعتبروا یااولی الابصار) **جبکہ اللہ احکم الحاکمین کا فرمان ھے:**

﴿**انه لا ييئس من روح الله إلا القوم الكافرون**﴾ (سورة یوسف: ۸۷) بے شک اللہ کی رحمت سے کافر لوگ ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔

کیا خواتین کا طریقۂ نماز مردوں سے مختلف ہے؟

اِعتراض ۹:-

مرد و عورت کے جس طرح دوسرے احکام مختلف ہیں اسی طرح نماز کا طریقہ بھی قدرے مختلف ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ مرد تکبیر تحریمہ میں کانوں تک اور عورتیں سینہ برابر ہاتھ اٹھائیں۔

(ہدایت یا گمراہی: ص ۲۶)

جواب:-

یہ روایت مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۳ میں طبرانی اور کنز العمال ج ۴ ص ۱۷۵ کے حوالے سے آئی ہے لیکن اس کی سند میں ایک راویہ "اُمّ یحییٰ بنت عبدالجبار" مجہولہ ہے۔ مجمع الزوائد میں جہاں یہ روایت موجود ہے اسی صفحے پر اُمّ یحییٰ بنت عبدالجبار کے بارے میں لم اعرفها کے الفاظ بھی موجود ہیں اگرچہ بقیہ رجال ثقہ ہیں لیکن مجہول الحال کی وجہ سے قطعاً قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

بفرض محال اس ضعف سے چشم پوشی کر لیں تب بھی اس سے سینہ پر ہاتھ باندھنا ثابت نہیں ہوتا اس سے تو سینے تک رفع الیدین کرنا معلوم ہوتا ہے۔ ،خواتین کیلئے ہاتھوں کو سینے پر باندھنے کی تخصیص تو پھر بھی محتاج ثبوت ہے۔

رسول اکرم ﷺ مردوں اور عورتوں دونوں کی طرف مبعوث تھے آپ ﷺ دونوں کے پیغمبر ہیں اس لئے

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

تمہارے لئے رسولِ اکرم ﷺ کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔

(سورة الأحزاب: ٢١)

یہ قرآنی نصیحت بھی مرد و عورت دونوں کیلئے ہے اور

﴿صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِي أُصَلِّيْ﴾ (بخاری: كتاب الاذان: ج ١ ص ٨٨)

نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم نے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

یہ ہدایتِ نبوی ﷺ بھی مرد و عورت دونوں کیلئے ہے اس لئے چاہے مسلمان مرد ہوں یا مسلمان عورتیں، ان دونوں کا طریقہ ایک ہی رہے گا۔ اِلّا یہ کہ شارع علیہ السلام نے اپنے فرمان سے کسی خاص عمل کو کسی خاص طبقہ کیلئے مخصوص کیا ہو۔ جیسا کہ درج ذیل امور سے واضح ہے۔

وہ امور جن میں عورت مردوں سے مختلف ہے

۱۔ نماز میں عورت کے ٹخنے ننگے نہ ہوں۔ (ابوداؤد: ج ا ص ۹۴ عن اُم سلمہؓ)

۲۔ نماز میں عورت کا سر کھلا نہ ہو۔ (ابوداؤد: ج ا ص ۹۴)

۳۔ مرد کا سر اگر ننگا ہو تو کوئی حرج نہیں۔ (بخاری: ج ا ص ۵۳ عن جابر رضی اللہ عنہ)

۴۔ عورت مردوں کی امامت نہیں کرا سکتی (محلّی ابنِ حزم: ج ۳ ص ۱۳۵، ۱۳۶ عن علی رضی اللہ عنہ)

۵۔ مرد عورت کی امامت کرا سکتا ہے (محلّی ابن حزم: ج ۳ ص ۱۳۵، ۱۳۶ عن علی رضی اللہ عنہ)

۶۔ امام کے بھولنے پر عورت تالی بجائے اور مرد سبحان اللہ کہے۔

(مسلم: ج ا ص ۱۸۰ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

۷۔ اگر عورت عورتوں کی امامت کرائے تو وہ صف کے وسط میں کھڑی ہو گی آگے نہیں۔ (بیہقی: ج ۳ ص ۱۳۱)

۸۔ مشترکہ جماعت میں مردوں کی صفیں آگے ہوں گی اور خواتین کی سب سے پیچھے۔ (مسلم: ج ا ص ۱۸۲)

۹۔ عورت نہ اذان دے سکتی ہے اور نہ مردوں کی جماعت میں تکبیر کہہ سکتی ہے۔ (محلّی ابنِ حزم: ج ۲ ص ۱۶۹)

البتہ عورتوں تک محدود ہو کر ایسا کر سکتی ہے۔

۱۰۔ سجدہ سے اٹھتے وقت مرد پہلے اٹھیں اور خواتین بعد میں۔

(بخاری: ص ۵۲ ج ۱ عن سہل رضی اللہ عنہ، محلّی لابن حزم: ص ۱۱۳ ج ۳)

۱۱۔ مسجد سے باہر جاتے وقت خواتین پہلے جائیں اور مرد بعد میں۔

۱۲۔ ایام ماہانہ میں نمازیں عورت پر معاف ہیں وہ قضا نہ کریں۔ (بخاری: ج ۱ ص ۴۲)

۱۳۔ مرد صف میں اکیلا کھڑا نہیں ہوسکتا۔ (بلوغ المرام)

۱۴۔ عورت اگر تنہا ہے تو وہ اکیلی کھڑی ہوسکتی ہے۔ (بخاری: ج ۱ ص ۱۰۱)

۱۵۔ اگر دو آدمی آپس میں جماعت کرائیں تو مقتدی دائیں جانب کھڑا ہوگا۔ (بخاری: ج ۱ ص ۱۰۱)

۱۶۔ اگر مرد و عورت جماعت کرائیں تو عورت ساتھ نہیں بلکہ پیچھے کھڑی ہوگی۔ (بخاری: ج ۱ ص ۱۰۱)

۱۷۔ مرد پر فرض نمازوں کیلئے مسجد میں آنا فرض ہے اگر کوئی عذر مانع نہ ہو۔
(بخاری: ج ۱ ص ۸۹، مسلم: ج ۱ ص ۲۳۲)

۱۸۔ عورت پر مسجد میں آنا فرض نہیں ہے بلکہ گھر زیادہ بہتر ہے۔
(ابوداؤد: ج ۱ ص ۸۴)

۱۹۔ مرد مسجد میں آتے وقت خوشبو استعمال کرسکتے ہیں جب کہ خواتین ہرگز نہیں کرسکتیں۔ (مسلم: ج ۱ ص ۱۸۳ عن زینب رضی اللہ عنہا)

۲۰۔ مردوں پر جمعہ فرض ہے جبکہ خواتین کو رخصت ہے۔ (ابوداؤد: ج ۱ ص ۱۵۳)

جہاں جہاں تفریق تھی شریعت نے واضح فرمادی اور اگر نماز کے طریقۂ ادائیگی میں فرق ہوتا تو شریعت اسے بھی ضرور واضح فرماتی تمام امتیازی مقامات کو واضح فرمانا اور نماز ادا کرنے کے طریقہ میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی تفریق نہ کرنا بلکہ اسے ایک ہی حکم سے یوں واضح فرمانا کہ تم نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم نے مجھے دیکھا ہے، یہ حکم ''مرد و زن کی نماز'' میں تفریق کو ختم کرتا ہے، لہٰذا عورتیں بھی اسی طرح نماز پڑھیں جو طریقہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رہا ہے۔

عام طور پر دین سے ناواقفیت کی وجہ سے خواتین کے طریقۂ نماز کو مردوں سے مختلف سمجھا جاتا ہے جب کہ شارع علیہ السلام سے اس قسم کا کوئی حکم یا عمل صحت کے ساتھ قطعاً ثابت نہیں ہے، ارکانِ اسلام میں سے ہر عبادت کا طریقہ مرد و عورت کیلئے یکساں طور پر نافذ کیا گیا ہے، تمام عبادات میں کسی طریقۂ عبادت کے مابین مرد اور عورت کیلئے کسی قسم کا کوئی فرق روا نہیں رکھا۔

مثلاً حج کا طریقہ لیجئے:

طواف کہاں سے کہاں تک کرنا ہے..................؟

صفا، مروہ کی سعی کہاں سے کہاں تک کرنی ہے.....؟

منٰی میں کتنے دن قیام کرنا ہے..................؟

عرفات میں کب جانا ہے اور کب تک رکنا ہے.....؟

وہاں سے مزدلفہ کب لوٹنا ہے.................. ؟

علیٰ ھذا القیاس عورت کیلئے بھی وہی حکم ہے جو مرد کیلئے ہے البتہ لباس میں ضرور فرق رکھا گیا ہے، لیکن طریقۂ ادائیگی میں کوئی فرق نہیں رکھا گیا۔

(۲) روزہ کو لیجئے:

سحری کب کرنی ہے اور افطاری کب کرنی ہے......؟

کن چیزوں سے روزہ ٹوٹتا ہے اور کن چیزوں سے نہیں ٹوٹتا؟

مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں رکھا گیا۔

(۳) زکوٰۃ کو لیجئے:

زکوٰۃ کیا ہے، اس کا نصاب کیا ہے؟

کس مال پر فرض ہے اور کتنی مقدار میں دینی ہے؟

اس کے طریقۂ ادائیگی میں مرد وعورت میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔

(۴) نماز کو لیجئے:

نماز کے طریقۂ ادائیگی میں اور طریقۂ وضو میں، نواقضِ وضو میں، تعدادِ رکعات میں، تعیینِ قبلہ میں، تعیینِ اوقات میں اور ہیئتِ نماز میں شریعت نے مرد وعورت کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا۔ اس لئے کہ رسول اکرم ﷺ جس طرح مردوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے اسی طرح عورتوں کی طرف بھی آپ ﷺ ہی مبعوث تھے۔ آپ ﷺ کا یہ حکم:

﴿صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ﴾ (بخاری: کتاب الاذان: ج ۱ ص ۸۸)

کہ تم نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

اس حکم کی مخاطب پوری اُمّتِ مسلمہ ہے جس میں خواتین اور مرد دونوں شامل ہیں، اس کی تائید اس حکم کے سیاق وسباق سے ہو جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک جیسی عمر کے کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بیس دِن قیام پذیر رہے، ایک دن آپ ﷺ نے شفقت، محبت اور نرمی کے طور پر ہم سے ہمارے اہلِ خانہ کے بارے میں پوچھا ہم نے آپ ﷺ کو آگاہ کیا پس آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿إرجِعُوا إلٰى أهلِيكم فأقيمُوا فيهم وعَلِّمُوهم ومُرُوهم﴾

(بخاری: کتاب الأذان: ج ۱ ص ۸۸)

اپنے اہلِ خانہ کی طرف لوٹ جاؤ اور انہیں میں رہتے ہوئے انہیں تعلیم دو اور اچھی باتوں کا حکم کرو۔

اور کچھ ایسی باتوں کا بھی آپ ﷺ نے ذکر کیا جنہیں میں یاد نہیں رکھ سکا یا کچھ یاد رکھ سکا ہوں اور پھر فرمایا کہ تم نماز اسی طرح پڑھو جس طرح تم نے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے جب وقت ہو جائے تم میں سے ایک اذان کہہ دے اور تم میں کوئی بڑا امام بن جائے۔ (بخاری: کتاب الاذان: ج ۱ ص ۸۸)

اس حدیث پر غور فرمائیں کہ بیس دِنوں تک قیام پذیر رہنے والے ان نوجوانوں کو جب آپ ﷺ نے اپنے اہلِ خانہ کی طرف لوٹ جانے کا حکم دیا تو انہیں یہ ہدایت فرمائی کہ ان میں رہتے ہوئے انہیں اچھی تعلیم اور اچھے اخلاق سکھلاتے رہو، لیکن جب نماز سکھلانے کی بات آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح تم مجھے نماز پڑھتا دیکھ کر جا رہے ہو اسی طرح پڑھتے رہنا۔

یہ حکم بغیر کسی ابہام کے صریح اور تسلی بخش حکم ہے اس لئے کہ اہلِ خانہ میں صرف مرد ہی تو نہیں ہوتے بلکہ عورتیں بھی اہلِ خانہ کا ایک اہم حصہ ہوتی ہیں اور اگر خواتین کا طریقۂ نماز مختلف ہوتا تو آپ ﷺ ان بیس نوجوانوں کو یہ طریقہ اس امتیاز کے ساتھ بتاتے کہ جس طرح تم نے مجھے دیکھا ہے یہ مردوں کا طریقۂ نماز ہے اور عورتوں کا طریقۂ نماز اس سے مختلف ہے۔

آپ ﷺ کا امتیازی حکم صادر نہ فرمانا اور تمام اہل خاندان کیلئے عمومی طور پر ایک ہی حکم صادر فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان چاہے مرد ہو یا عورت اگر وہ اپنی نماز اور دیگر عبادات کا اللہ سے صلہ چاہتے ہیں تو ان دونوں پر رسول اکرم ﷺ کے طریقۂ بندگی کو اپنانا لازم ہوگا۔

بصورتِ دیگر عمل، محنت اور وقت کا ضیاع ہے۔

نوٹ:-

اس مسئلے میں اگر تفصیلی بحث درکار ہو تو ہماری کتاب ''مرد و زن کی نماز'' کا مطالعہ ان شاءاللہ بے حد مفید ثابت ہوگا جو دارالعلوم کراچی کے مفتی جناب مولانا عبدالرؤف صاحب سکھروی کی کتاب ''خواتین کا طریقۂ نماز'' کے جواب میں لکھی گئی ہے۔

مسجد میں عورتوں کی حاضری

اِعتراض ۱۰:-

(ڈاکٹر صاحبہ کا موقف ہے) عورتیں مسجدوں میں نماز پڑھا کریں۔

(ہدایت یا گمراہی: ص ۲۶)

جواب:-

ڈاکٹر صاحبہ کا موقف صرف جواز کا ہے فرضیت کا نہیں یعنی عورتیں اگر مسجد میں نماز پڑھنا چاہیں تو پڑھ سکتی ہیں اور یہ موقف شریعت سے متصادم نہیں ہے بلکہ موافقت رکھتا ہے۔

جیسا کہ درج ذیل احادیث سے واضح ہے:

۱۔ ﴿عن إبن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ اذا استأ ذنت إمرأة احدكم إلى المسجد فلا يمنعنَّها......﴾

(فتح الباری حدیث:۵۳۳۸، مسلم کتاب الصلاة : ج۱ ص۳۳۶)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب تم میں سے کسی کی عورت مسجد میں جانے کی اجازت مانگے تو اسے منع نہ کرو (جانے کی اجازت دے دو)۔

۲۔ ﴿عَن اِبنِ عُمَر رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ الله ﷺ لا تمنعوا نساءَ كم المَسَاجِد وبُيُوتهُنَّ خَيرٌ لَّهُنّ ....﴾

(أبو داوٗد: ج ۱ ص ۸۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

عورتوں کو مسجد میں جانے سے نہ روکو، البتہ ان کے گھر ان کیلئے زیادہ بہتر ہیں۔

مندرجہ بالا ہر دو روایات سے معلوم ہوا کہ عورتوں پر مسجد کی حاضری مردوں کی طرح فرض نہیں ہے البتہ اگر کوئی خاتون مسجد میں آنا چاہے تو اسے رخصت ہے (وہ مسجد میں آ سکتی ہے) مگر خوشبو اور بے پردگی سے گریز کرے۔

خواتین مسجد میں برائے ادائیگی نماز اور دیگر تبلیغی اجتماعات وغیرہ میں بغرضِ شرکت آ سکتی ہیں اگرچہ بعض فقہانے اسے ممنوع قرار دیا ہے لیکن اس کا جواز رسولِ اکرم ﷺ کے فرمان اور عہد صحابہ و تابعین سے نصِ صریح سے ثابت ہے عہدِ نبوی میں ازواجِ مطہرات اور دیگر صحابیات باجماعت نماز میں شرکت کیا کرتی تھیں اور ان کی صف سب سے آخر میں ہوا کرتی تھی ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ جب ہم مسجد میں آپ ﷺ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ کر آتی تھیں تو گلی میں اس قدر اندھیرا ہوتا تھا کہ ہمیں کوئی پہچان نہ سکتا تھا۔

(بخاری : ج ۱ ص ۸۲: باب وقت الفجر)۔

اِعتراض ۱۱ :-

صاحبِ ''ہدایت یا گمراہی'' فرماتے ہیں؛

ہر عورت کا خواہ بوڑھی ہو یا جوان، کسی بھی وقت میں خواہ دن ہو یا رات، کسی بھی نماز میں حتی کہ جمعہ و عیدین میں بھی مسجد میں جماعت کیلئے حاضر ہونا اور اس میں شرکت کیلئے گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہے۔

(ہدایت یا گمراہی :ص ۸۰)

جواب:-

اگر دین کسی مخصوص فقہ کا نام ہے تو پھر واقعی عورتوں کا مسجد میں جانا مکروہ تحریمی ہے اور اگر دین اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا نام ہے تو پھر خواتین کا مسجد میں آنا اور پردے کا اہتمام کرتے ہوئے نماز ادا کرنا عین تقاضائے اسلام ہے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت جسے خود صاحبِ ''ہدایت یا گمراہی'' بھی ص ۸۵ پر نقل کر چکے ہیں جس میں یہ صراحت ہے کہ:

﴿**قال رسول الله ﷺ لا تمنعوا نساء کم المساجد و بیوتھن خیر لھن**﴾(أبوداوٗد : ج ۱ ص ۸٤ باب خروج النساء إلی المسجد)

اپنی عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے نہ روکو اور ان کے گھران کے لئے بہتر ہیں۔

جہاں آپ ﷺ نے گھروں کو بہتر قرار دیا وہاں آپ ﷺ نے '' **لا تمنعوا** '' (عورتوں کو منع نہ کرو) کہہ کر مستقبل میں خواتین کی راہ میں رکاوٹ بننے والے تقلیدی روڑوں کو بھی ہٹایا۔

ایک مسلمان ہونے کے ناطے فرض یہ بنتا تھا کہ رسول اکرم ﷺ کا مکمل فرمان خواتین کو سنا دیا جاتا یہ فرمان سننے کے بعد اگر وہ مسجد میں آنا چاہیں تو اس حدیث کی روشنی میں انہیں نہ روکو اور اگر وہ گھر میں پڑھنا چاہیں تو انہیں اس حدیث کی روشنی میں پڑھنے دیا جائے اس حدیث کے ہوتے ہوئے خواتین کیلئے مسجدوں کے دروازے بند کر دینا اور اسے مکروہ یا مکروہ تحریمی قرار دینا دین کی کونسی خدمت ہے؟ یہ تو صریحاً فرمانِ نبوی ﷺ کی مخالفت ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں مسجدوں میں آنے سے عورتوں کو نہ روکو لیکن مقلد روکتے ہیں مخالفت اور کس چیز کا نام ہے؟

۳۔ عہدِ نبوی ﷺ میں ازواجِ مطہرات اور دیگر صحابیات باجماعت نماز میں شرکت کیا کرتی تھیں اور ان کی صف سب سے آخر میں ہوا کرتی تھی ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ فجر کی نماز کے بعد جب ہم آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھ کر واپس آتیں تو گلی میں اس قدر اندھیرا ہوتا تھا کہ کوئی ہمیں پہچان نہ سکتا تھا۔

(بخاری : ج ۱ ص ۸۲ باب وقت الفجر)

۴۔ عیدین کے اجتماع کیلئے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے عورتیں بھی اس اجتماع میں شریک ہوں اگر کسی کے پاس اوڑھنی نہ ہو تو وہ سہیلی کی چادر میں

آجائے حتی کہ جن عورتوں نے نماز نہیں پڑھنی وہ بھی آئیں وہ نماز کی جگہ سے الگ رہیں اور دعا میں شریک ہوں۔(بخاری: ج ۱ ص ۱۳۳)

مندرجہ بالا احادیث سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ خواتین کو مسجد میں داخلے کی جو اجازت رسول اللہ ﷺ نے انہیں دی ہے خواتین سے ان کا یہ حق دنیا کا کوئی شخص چھیننے کا اختیار نہیں رکھتا وہ چاہے فقیہ ہو یا محدث۔

ظلم تو یہ ہے کہ آج تک دنیا کے کسی مفتی نے عورتوں کے بازار جانے کے خلاف کبھی کوئی فتویٰ نہیں دیا لیکن مسجد میں داخلے کی ممانعت پر بے شمار فتاویٰ جات موجود ہیں جن کے فتوؤں کی علت کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے ماحول کی خرابی کے باعث عورتوں کو مساجد میں آنے سے روکا گیا ہے، کوئی ان نام نہاد مفتیوں سے پوچھے کہ ماحول صرف مساجد کا خراب ہے؟

بازار اور مارکیٹیں خواتین کیلئے پرامن ماحول کی ضامن ہیں، کالج اور یونیورسٹیاں جہاں مخلوط تعلیم ہوتی ہے جہاں دیوانِ غالب، دیوانِ ناصر اور دیگر شعراء کی عشق و عاشقی سے لبریز غزلیات ایک ساتھ بیٹھ کر پڑھتی اور اپنے ٹیچر کے منہ سے اس کی شرح کو شرح صدر کے ساتھ سنتی ہیں۔

رکشوں، ٹیکسیوں اور بسوں میں تنہا سفر کرتی ہیں، گھر کیلئے سبزی، گوشت خرید لاتی ہیں حتی کہ اپنے خاوند کیلئے مارکیٹ سے کپڑے بھی خود پسند کرلاتی ہیں، دکاندار سے بھاؤ تاؤ خود طے کرلیتی ہیں، کیا وہاں کا ماحول انہیں پاکیزہ نظر آتا ہے اور خرابی صرف مسجد کے ماحول میں ہے؟

جہاں عورت پردے میں آتی ہے، پردے میں بیٹھتی ہے، خطبہ وغیرہ سن کر پردے میں واپس گھر چلی جاتی ہے اور اس دوران اسے کسی مرد سے ہم کلام ہونے کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی۔

افسوس ان مفتیوں پر جنہوں نے اُس مسجد کے دروازے عورت پر بند کر دیے جو اللہ کی نظر میں اس صفحۂ ہستی پر سب سے بہترین جگہ ہے اور ان مارکیٹوں اور بازاروں کے دروازے ان پر کھول دیئے کہ جن سے بڑھ کر بدترین جگہ اللہ کی نظر میں اور کوئی نہیں۔افسوس صد افسوس!!!

بنظر غائر دیکھا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مقابلہ میں اُن ائمہ رحمہ اللہ کے اقوال کو ترجیح دینے لگے ہیں جو خود اپنے شاگردوں سے کہتے رہے ہیں میری بات کے خلاف اگر حدیث مل جائے تو میری بات کو اس وقت دیوار پر دے مارنا اور حدیثِ رسول ﷺ کو سینے سے لگا لینا، اللہ سے دعا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں ایسے تمام فتنوں سے محفوظ فرمائے۔(آمین)

’’چراغ میرا ہے رات ان کی‘‘

محترم مفتی صاحب (صاحبِ ’’ہدایت یا گمراہی‘‘) نے اپنے تمہیدی کلمات میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ مکمل متن قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔صاحبِ ’’ہدایت یا گمراہی‘‘ کی ص ۳۲ تا ص ۳۹ تک کی مکمل عبارت نقل کر رہے ہیں تاکہ قارئین کو صحیح اندازہ ہوسکے کہ صاحبِ ’’ہدایت یا گمراہی‘‘ درج ذیل مصرعہ کے مصداق ہیں۔

ع: ’’کہنے کی وفا اور ہے کرنے کی وفا اور‘‘۔

اس پورے مضمون میں خط کشیدہ عبارتوں پر غور فرمائیں اور پھر مفتی صاحب سے دریافت فرمائیں کہ جب دین اِسلام قیامت تک کی ضرورتوں اور

تقاضوں کو پورا کرنے والا ہے پھر اندھی تقلید کی کیا ضرورت ہے؟

دین اسلام وشریعت مطہرہ ایک کامل ومکمل وجامع مذہب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مکمل نظام حیات ہے اور یہ دین پچھلے تمام ادیان کیلئے ناسخ ہے اور قیامت تک باقی رہنے والا اور چلنے والا ایک دستور ہے اور جس طرح اللہ رب العزت نے اپنے پیارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کو قیامت تک کیلئے نبی بنا کر بھیجا اسی طرح جو شریعت و دین آپ ﷺ کو عطا فرمایا،

اس شریعت ودین کے اندر اس بات کی مکمل صلاحیت واستعداد رکھی کہ یہ دین ومذہب قیامت تک آنے والے انسانوں کیلئے مشعلِ راہ اور راہنمائی کا کام دے سکے۔

آپ علیہ السلام پر نازل ہونے والے علوم آپ ﷺ کی ذات مبارک آپ ﷺ کے اقوال وافعال وکردار واخلاق اور آپ ﷺ کی شریعت کو اتنا کامل بنایا گیا کہ خواہ عقائد ہوں یا عبادات، معاملات ومعاشرت ہوں یا معیشت رہن سہن اخلاق وکردار غرض احکام دنیا کی تمام ضروریات کی اتنی تکمیل کی گئی کہ قیامت تک رونما ہونے والے ہر قوم وقبیلہ اور ملک وسلطنت سے متعلق ہر مسئلہ کا حل اسی شریعت مطہرہ میں موجود ہے جو نبوت کی ۲۳ سالہ زندگی کا علمی وعملی مجموعہ تھی اور جس کے متعلق ارشاد باری ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (سورة الأحزاب: ٢١)

بایں وجہ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے یہ اعلان کر کے اُمّت محمدیہ کو خوش خبری سنائی۔

﴿ اليوم اكملت لكم دينكم ﴾ (سورة المائدة :٣)

کہ آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا۔

یہ آیت عرفہ کے دن نازل ہوئی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت تقریباً قرآن کی آخری آیت ہے اس آیت کے بعد احکام سے متعلق کوئی دوسری آیت نازل نہیں ہوئی صرف ترغیب وترہیب کی چند آیتیں نازل ہوئیں۔

اکمالِ دین کا مطلب

مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آج دین حق کی تمام حدود وفرائض واحکام وآداب مکمل کر دیئے گئے ہیں اب اس میں کسی قسم کے اضافہ اور زیادتی کی ضرورت باقی نہ رہی اور نہ ہی کمی کا کوئی احتمال (از روح المعانی) یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد احکام میں سے کوئی نیا حکم نازل نہیں ہوا تو اکمال دین کا مطلب یہ ہے کہ دین کے تمام احکامات کو مکمل کر دیا گیا اب اس میں نہ کسی چیز کی زیادتی کی ضرورت باقی ہے نہ منسوخ ہو کر کمی کا احتمال کیونکہ اس کے متصل بعد ہی سلسلہ وحی رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد منقطع ہونے والا تھا اور بغیر وحی الٰہی کے قرآن کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہوسکتا۔

اب جب کہ قرآن مجید آخری کتاب اور پیغمبر اسلام ﷺ سلسلۂ نبوّت کی آخری کڑی ہیں، وحی کا سلسلہ بند ہو چکا ہے، ان تمام امور کے باوجود مذہب اسلام کا دعویٰ ہے کہ اسلام کا پیش کردہ نظام حیات سب سے آخری ابدی اور مکمل دستور ہے اور قیامت تک چلنے والا ایک ایسا کامل ومکمل دین جس میں اب کسی چیز کی زیادتی وکمی کا کوئی احتمال نہیں۔

اور اس کے ساتھ اللہ رب العزت نے یہ اعلان بھی کیا ہے:

﴿ إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون ﴾ (سورة الحجر :٩)

بے شک ہم نے ذکر (قرآنِ مجید) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

تو اب غور طلب امر یہ ہے کہ قرآن میں کل احکامات تقریباً ۵۰۰، اور حدیث میں کل تین ہزار ۳۰۰۰ احکامات ہیں اور شریعت قیامت تک چلنے والی ہے۔

اب ظاہر ہے کہ قیامت تک صرف وہ احکامات وحالات نہیں رہیں گے جو حضورؐ کے زمانے میں تھے بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نئے مختلف اقسام کے مسائل ظاہر ہوتے رہیں گے جن کا صراحتاً کوئی حکم قرآن وحدیث میں موجود نہیں تو گویا اس لحاظ سے دین اسلام کے کامل ومکمل ہونے کا دعویٰ تو صحیح نہیں۔

لیکن مندرجہ ذیل چند حقائق کو سامنے رکھنے سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ یہ صرف اسلام کا دعویٰ ہی نہیں بلکہ یہ ایک اٹل ثبوت اور ناقابل انکار حقیقت ہے کہ عہد نبوی اسے لے کر آج چودہ سو سال تک، ایک طویل تاریخ اس دعویٰ کی تصدیق کرتی چلی آرہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ قرآن مجید وتعلیمات نبویہ یا ایک مکمل مذہب اور ہر خاص وعام آدمی کیلئے سرچشمہ ہدایت اور مشعل راہ ہیں کہ ہر ملک، ہر خطہ، ہر قوم، ہر زبان اور ہر زمانے کے ہر آدمی کیلئے اس میں ہدایت کا سامان موجود ہے اور یہ قرآن ہر کسی کی فلاح وبہبود کا مکمل ضامن ہے۔

اصل مقصود صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت ہے

اور اس بات سے بھی کسی مسلمان کو انکار نہیں ہوسکتا کہ دین اسلام کی اصل دعوت یہ ہے کہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کی جائے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کی اطاعت بھی اس لئے واجب ہے کہ حضور ﷺ چونکہ اللہ کے پیغمبر ہیں اور حضور ﷺ نے اپنے قول وفعل سے احکام الٰہی کی ترجمانی اور وضاحت فرمائی ہے اور اللہ نے قرآن مجید میں جہاں اپنی اطاعت کا حکم فرمایا ہے وہیں اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کا بھی حکم فرمایا ہے۔

اس لئے اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کی جاتی ہے کہ وہ شارح احکام قرآن ہے اور ان کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بجائے کسی اور کی اطاعت کا قائل ہو اور اس کو مستقل بالذات، مطاع سمجھتا ہو، یقیناً دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

لہٰذا ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ قرآن وسنت کو رہبر اور رہنما بناتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے۔

قرآنی احکامات کی تفصیل

اب شریعت مطہرہ کے بعض احکامات تو ایسے ہیں جنہیں ہر پڑھا لکھا معمولی آدمی بھی سمجھ سکتا ہے، ان میں کوئی اجمال، ابہام یا تعارض نہیں، بلکہ جو شخص بھی انہیں پڑھے گا وہ کسی الجھن وپریشانی کے بغیر ان کا مطلب سمجھ لے گا۔

مثلاً قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿لایغتب بعضکم بعضاً﴾ (سورۃ الحجرات:۱۲) تم میں سے کوئی کسی کو پیٹھ پیچھے برا نہ کہے۔

اب جو شخص بھی عربی زبان جانتا ہو وہ اس ارشاد کے معنی سمجھ جائیگا اور چونکہ اس میں نہ کوئی ابہام ہے اور نہ کوئی دوسری دلیل شرعی اس سے ٹکراتی ہے اس لئے اس کے سمجھنے میں کوئی پریشانی ومشکل نہیں۔

اور بہت سے احکامات ہیں جن میں کوئی اجمال یا ابہام پایا جاتا ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں جو قرآن ہی کی دوسری آیت یا آنحضرت ﷺ کی دوسری حدیث سے بظاہر متعارض معلوم ہوتے ہیں اور ان کے علاوہ بہت سے احکام ایسے ہیں جن کے بارے میں صراحتاً قرآن وحدیث میں کوئی حکم ونص موجود نہیں جن کو آپ ہر دور کے اعتبار سے جدید مسائل کا نام دے سکتے ہیں کہ ان کے متعلق کوئی حکم قرآن وحدیث میں موجود نہیں لیکن چونکہ اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ ایک کامل ومکمل مذہب ہے اس لئے قیامت تک آنے والے تمام مسائل کیلئے ضابطے واصول قرآن وحدیث میں بیان کر دیئے گئے اور کوئی مسئلہ ایسا نہیں کہ اس کا حل اصول کی شکل میں یا فروع کی شکل میں قرآن وحدیث میں موجود نہ ہو۔

◄ ان تین اقسام میں سے پہلی قسم کے احکام بالکل واضح ہیں ان میں کسی قسم کا کوئی ابہام وتعارض واختلاف نہیں ہے احکامات کو ہر خاص وعام قرآن و سنت سے براہِ راست سمجھ سکتا ہے اس میں کسی کی تقلید کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس کا سمجھنا سمجھانا آسان ہے اور وہ احکامات بالکل واضح ہیں جیسے پانچ نمازوں کا فرض ہونا، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کا فرض ہونا۔

البتہ جو دوسری دو قسمیں ہیں ان میں باہمی تعارض وابہام کو دور کرنا غیر منصوصہ مسائل میں قرآن وحدیث سے احکام مستنبط کرنا اس میں بہت سی دشواریاں پیش آتی ہیں۔

قرآنی احکامات سمجھنے کی صورتیں

اب قرآنی احکامات سمجھنے کی دو صورتیں ہیں، پہلی صورت تو یہ ہے کہ ہر کس وناکس آدمی اپنی فہم وبصیرت پر اعتماد کر کے قرآن وحدیث جو کہ اسرار و رموز کا خزینہ ہے اور معارف الٰہی کا دفینہ ہے، کو سمجھنے کی اور اس کے ابہامات وتعارضات کو دور کرنے کی ازخود کوشش کرے اور خود ہی قرآن سے احکامات مستنبط کر کے کوئی فیصلہ کر لے اور ہر آدمی اپنی فہم وبصیرت پر اعتماد کر کے اسی کو حق سمجھتے ہوئے اس کے مطابق عمل کرنا شروع کر دے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس قسم کے معاملات ومسائل میں ازخود فیصلہ کرنے کی بجائے یہ دیکھے کہ قرآن وسنت کے ان ارشادات سے ہمارے جلیل القدر اسلاف صحابہ تابعین، تبع تابعین نے، جو حضور اکرم ﷺ کے مبارک زمانے میں یا آپ کے قریب تر زمانے میں تھے جن کے متعلق تاجدار مدینہ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی لسانِ نبوت سے یہ فیصلہ سنایا:

﴿خير القرون قرنی ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم﴾

کہ سب سے بہترین زمانہ میرا ہے پھر وہ جو ان کے نزدیک ہوں پھر وہ جو ان کے نزدیک ہوں۔

اور جو علوم قرآن وحدیث کے ہم سے زیادہ ماہر، فہم وبصیرت میں اعلیٰ، تقویٰ وطہارت میں فائق، حافظہ وذکاوت میں ارفع، نبی وصحابہ کے صحبت یافتہ تھے۔ انہوں نے کیا سمجھا ہے اس پر عمل کیا جائے اور ان کے فہم پر اعتماد کر کے ان کی بات بلا دلیل کے مان لی جائے یہ دو صورتیں ہیں۔

(ہدایت یا گمراہی: ص۳۲ تا ۳۹)

آپ نے اس پورے مضمون میں خط کشیدہ عبارتوں پر غور فرما لیا ہوگا اور مفتی صاحب سے دریافت بھی کر لیا ہوگا کہ جب دین اسلام قیامت تک کی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کرنے والا ہے۔

تو پھر اندھی تقلید کی کیا ضرورت ہے؟

مفتی صاحب کا لفظ ''خیر القرون'' سے غلط استدلال

رحمتِ عالم ﷺ کا فرمان ہے:

﴿خير القرونِ قرنی ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم﴾

سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر وہ جو ان کے قریب ہوں،

پھر وہ جو ان کے قریب ہوں۔

اس حدیث مبارکہ سے عوام الناس کو گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی اور عموماً ایسا ہی کیا جاتا ہے کہ دیکھو رسول ﷺ کے قریب کے زمانہ کے لوگ ہم سے بہتر تھے اس لئے ان کی بات بلا دلیل کے مان لی جانی چاہئے۔ (ص۳۹)

یہ گمراہ کن فکر ہے، اس لئے کہ کسی زمانے کا ہمارے زمانے سے بہتر ہونا اس کے مطاع ہونے کی دلیل نہیں ہے یہ صرف ہادی برحق ﷺ کا حق ہے کہ ہم ان کی بات پر دلیل طلب کئے بغیر ایمان لائیں اور آپ ﷺ کے بعد ایمان کی خیر اسی میں ہے کہ اس سے دلیل طلب کی جائے۔

خیر القرون کا صحیح مفہوم

مقلدین کے طرزِ عمل سے یہ تأثر ملتا ہے کہ نعوذ باللہ نبی کے زمانے سے بہتر صحابہ کا زمانہ تھا اور صحابہ کے زمانہ سے بہتر تابعین کا زمانہ تھا اور تابعین کے زمانہ سے بہتر تبع تابعین کا زمانہ تھا شاید اسی لئے تقلیدی ذہن اور تقلیدی نکتۂ نظر تبع تابعین پر مرکوز رہا ہے جبکہ رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان کا مفہوم مذکورہ بالا مفہوم سے یکسر مختلف ہے آپ ﷺ کے بتانے کی منشاء یہ ہے کہ سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے اور اس کے بعد قدم بہ قدم اس بہتری میں کمی واقع ہوتی جائے گی جتنے ادوار مجھ سے دور ہوتے چلے جائیں گے، اسی قدر اس میں خیر اور بہتری کم ہوتی چلی جائے گی۔

اگر فی زمانہ بہتری درکار ہو تو ہم کتنا ہی قریبی زمانے کی طرف کیوں نہ رجوع کریں ہمیں وہ بہتری حاصل نہ ہو سکے گی جو بہتری رسولِ اکرم ﷺ کے عہد سے رجوع کرنے میں میسر آئے گی۔

اس لئے کہ باقی زمانے تو اس لئے بہتر قرار دیئے گئے ہیں کہ وہ عہد نبوی ﷺ کے قریب ہیں گویا ان میں بہتری کا سبب اور بہتری کی وجہ زمانۂ رسالت کا قرب ہے جبکہ زمانۂ رسالت کی بہتری صحابہ رضی اللہ عنہم کے قرب کی وجہ سے نہیں ہے، اس کا عہدِ رسالت ہونا ہی اس کی بہتری کی دلیل ہے۔

اگر آپ تابعین اور اور تبع تابعین کے زمانہ کا تقابل کریں تو یقیناً عقلِ سلیم ان دونوں میں تابعین کے زمانہ کو ترجیح دے گی۔

اور اگر موازنہ تابعین اور صحابہ کے ادوار میں ہو تو یقیناً صحابہ کے زمانہ کو ترجیح ہوگی اور اگر موازنہ صحابہ اور نبی کے زمانہ کے مابین ہو تو پھر ترجیح نبی کریم ﷺ کے زمانہ کو ہوگی گویا آپ ﷺ کا زمانہ تمام زمانوں سے بہتر زمانہ ہے حتی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے بھی بہتر زمانہ ہے اب اگر حصولِ دین کیلئے بہتر زمانہ کی تلاش ہو تو آپ ﷺ کے زمانہ سے بہتر پھر کس کا زمانہ ہے؟

پیچھے جانا ہی ہے تو آخر تک کیوں نہیں؟

اِعتراض ۱۲:-

صاحبِ "ہدایت یا گمراہی" لکھتے ہیں "ہم عہد رسالت کے اتنے عرصے بعد پیدا ہوئے ہیں کہ ہمارے لئے قرآنِ مجید کا مکمل پس منظر اور اسکے نزول کا ماحول اور طرز معاشرت.....وغیرہ کا ہو بہو اور بعینہٖ تصور بڑا مشکل ہے۔

(ہدایت یا گمراہی: ص۴۰)

جواب:-

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہم عہدِ رسالت کے تقریباً چودہ سو سال بعد پیدا ہوئے ہیں اور اس میں بھی تو شک کی گنجائش نہیں ہے کہ ہم عہدِ فقہا سے بھی تیرہ سو سال بعد پیدا ہوئے ہیں جب ہمارے لئے عہدِ رسالت تک رسائی اس لیے ناممکن بنا دی گئی کیونکہ ہم اس ماحول اور پس منظر سے واقف نہیں ہیں تو عہدِ فقہا تک رسائی کیونکر آسان ہوگی؟ جبکہ ہم ان کے ماحول اور معاشرت سے بھی واقف نہیں ہیں اس ناواقفیت کے باوجود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی عظمت، علم وعمل، تقویٰ اور فقاہت سے متاثر ہو کر ان سے مستفیض ہونے کیلئے جب ہم تیرہ سو سال پیچھے کا سفر طے کر سکتے ہیں تو رسولِ اکرم ﷺ کی عظمت، علم وحکمت اور آپ ﷺ کا تقویٰ نعوذ باللہ اتنا بھی استحقاق نہیں رکھتا کہ ہم مزید ایک صدی کا سفر اور طے کر لیں؟ کوفے کے امام کیلئے ۱۳ صدیوں کا سفر گوارا ہے اور کائنات کے امام کیلئے ایک صدی کا سفر بھی گوارا نہیں ہے۔!! (اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ)

اپنی وفا پہ آپ پشیماں ہیں ہم مگر
انکی جفا پہ انکو پشیماں نہ کر سکے

قولِ امام و شیخ مقدم سمجھ لیا
بھاتی نہیں حدیثِ رسولِ خدا تجھے
پیروں اور اماموں کی کرتا ہے پیروی
بھاری ہوئی ہے طاعتِ خیرالوریٰ تجھے

اعتراض ۱۳:-

صاحبِ ''ہدایت یا گمراہی'' فرماتے ہیں:

جس طرح ہم اپنے معاملات میں ہر فن کے ماہرین کے مشورہ کے محتاج ہیں اور اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ بیمار ہوتے ہیں تو ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں، عدالت میں کوئی مقدمہ دائر ہو جائے تو وکیل کے پاس جاتے ہیں، مکان بنانا ہو تو انجینئر کی خدمات حاصل کرتے ہیں ......اور وہ جو مشورہ دیں ہم اسے تسلیم کرتے ہیں اور کوئی حجت بازی نہیں کرتے......۔ (ہدایت یا گمراہی: ص ۳۹)

جواب:-

اوّلاً دین کا معاملہ دنیا سے یکسر مختلف ہے، رحمتِ عالم ﷺ نے اس تفریق کو اپنے اس فرمان سے واضح فرمایا ارشاد ہوتا ہے:

﴿**انتم اعلم بأمور دنیاکم**﴾ (مسلم کتاب افضائل: ج ۲ س ۲۶۴ م نور محمد کراچی)

آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا تھا: ''تم اپنے دنیا کے معاملات مجھ سے بہتر جانتے ہو'' جب میں تمہارے دین کے بارہ میں تمہیں حکم دوں تو ﴿**فخذو بہٖ**﴾ اسے پکڑ لو، اور جب میں تمہیں دنیا کے کسی معاملے میں حکم دوں تو میں ایک انسان ہوں۔

ثانیاً:-

رسول اکرم ﷺ کا علم سمندر ہے اور پوری اُمّت کا علم اس سمندر سے پانی پینے والی چڑیا کی چونچ کو لگ جانے والا ایک قطرہ ہے پھر آدمی سمندر کے ہوتے ہوئے قطرے پر قناعت کیوں کرے؟

ثالثاً:-

اگر ڈاکٹر ہی کی مثال لیں تب بھی رسول اکرم ﷺ کی حیثیت ایک ماہر ڈاکٹر کی ہوگی جبکہ فقہا اور دیگر مجتہدین کی حیثیت ایک کمپاؤڈر کی ہوگی اگر کوئی شخص اپنی بیماری کے علاج کیلئے نسخہ ڈاکٹر سے لے اور دوائی اس ڈاکٹری نسخے کے مطابق کمپاؤڈر سے لے تو خیر ہے اور اگر نسخہ ہی کمپاؤڈر سے لے یا پھر ڈاکٹر کے نسخے میں کمپاؤڈر اپنی مرضی سے ردّ و بدل کرنے لگے تو پھر یقیناً قابلِ تشویش ہوگا۔

کسی عالم کی تقلید رسول اکرم ﷺ کی اتباع نہیں

رسول اکرم ﷺ کا مکمل علم کسی فردِ واحد کے پاس نہیں ہے مزید یہ کہ آپ ﷺ نے دین حنیف کی تعلیم صحابہ کرام کو دی لیکن کوئی بھی صحابی ۲۴ گھنٹے

آپ ﷺ کے ہمراہ نہیں رہا بعض صحابہ مسجد میں آپ ﷺ کے ہمراہ ہوتے لیکن وہ میدانِ جنگ میں نہ ہوتے اور بعض جنگ میں ہوتے لیکن مسجد میں نہ ہوتے بعض اصحاب سفر میں ہمراہ ہیں لیکن گھر میں ہمراہ نہیں ہیں۔

اسلئے جو احکام آپ ﷺ نے سفر میں جاری فرمائے ان احکامات سے صرف وہی اصحاب باخبر ہیں جو سفر میں ساتھ ہیں اور جو احکام آپ ﷺ نے مسجد میں جاری فرمائے ان احکامات سے وہ اصحاب ناواقف ہیں جو اس وقت میدانِ جنگ میں تھے بایں وجہ آپ ﷺ کے تمام فرامین سے ہر صحابی رسول واقف نہ ہو سکا بعض مسائل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہیں تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان سے واقف نہیں اور بعض مسائل سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ شناساں ہیں لیکن عمر فاروق رضی اللہ عنہ آگاہ نہیں اس طرح اگر کوئی شخص کسی تابعی یا تبع تابعی کو متعین کر کے اس کی تقلید کرے گا تو وہ رسولِ اکرم ﷺ کی مکمل تعلیمات سے کیونکر مستفید ہو سکے گا؟ یقیناً ایسا کرنے سے وہ دین کے بیشتر حصے سے محروم رہے گا جو عاقبت کیلئے یقیناً نقصان دہ ہے۔

مکمل روپیہ لیجئے! چوّنی پر قناعت نہ کیجئے!

اگر دین کے ذخیرے کو چار برابر حصوں میں تقسیم کر دیا جائے یعنی ایک حصہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس اور دوسرا حصہ امام شافعی رحمہ اللہ کے پاس اور تیسرا حصہ امام مالک رحمہ اللہ کے پاس اور چوتھا حصہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاس ہو تو اس طرح ہر ایک کے پاس دین کی ایک چوتھائی (چار آنے) ہاتھ آئیں گے اور ہر گروہ دین کے بارہ آنے سے محروم رہے گا جس کے نتیجے میں ہر مقلد کے پاس دین کی چوّنی ہو گی اور بارہ آنے سے محروم ہو گا جبکہ ایسا شخص جو کسی بھی متعین شخص کا مقلد نہ ہو وہ چاروں ائمہ کی بات کو قرآن وحدیث کی کسوٹی پر پیش کرے جس کی بات کو قرآن وسنت کے مطابق دیکھے اسے قبول کرلے اور جس کی بات قرآن وسنت کے خلاف دیکھے اسے چھوڑ دے۔

اس طرح اسے مکمل روپیہ حاصل ہو گا اور بارہ آنے کی محرومی سے بچ سکے گا تقلید کا یہی تو سب سے بڑا نقصان ہے کہ آدمی دین کے بیشتر حصے سے محروم رہتا ہے اسی لئے ائمہ اربعہ نے اپنے اپنے ادوار میں لوگوں کو اس سے بچنے کی تلقین فرمائی اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ان کے تقویٰ اور کتاب وسنت سے لگاؤ کی واضح دلیل ہے سو ان کی ان ہدایات اور منع کرنے کے باوجود پھر بھی کوئی تقلید کرتا ہے تو اس میں ائمہ اربعہ کا کوئی قصور نہیں ہر مقلد اپنی گمراہی کا خود ذمہ دار ہے کیونکہ اللہ سے ڈرنے والے ان ائمہ کرام نے تقلید جیسی گمراہی سے منع فرما کر اپنے آپ کو اللہ کے ہاں بری کرلیا ہے۔

تقلید کی ممانعت اور ائمہ اربعہ

(۱) امام أبو حنیفه رحمه الله کا قول:-

امام صاحب فرماتے ہیں:

لا يحل لاحدٍ أن	کسی شخص کیلئے حلال نہیں ہے کہ وہ
يأخذَ بقولي مالم يعلمُ	میرا قول لے جب تک اسے یہ
من اين قلتُ ونهٰى	معلوم نہ ہو کہ میں نے وہ بات کس
من التقليدِ وندب	دلیل سے کہی ہے اور امام صاحب
إلىٰ معرفة الدليل	نے تقلید سے منع کیا ہے اور دلیل
(مقدمہ ھدایہ ص۹۳)	کے جاننے کی ترغیب دلائی ہے۔

مندرجہ بالا قول سے درج ذیل باتیں خاص طور پر معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ امام صاحب کے قول کی دلیل جانے بغیر ان کا قول لینا حرام ہے۔

۲۔ جب کوئی دلیل جاننے کی کوشش کرے گا تو یہ عمل تحقیق کے زمرے میں آئے گا اور تحقیق نہ صرف تقلید کی ضد ہے بلکہ صاحب نور الانوار کے بقول محقق پر تقلید حرام ہے۔

۳۔ دلیل کی اتباع کا حکم معلوم ہوا تقلید کا نہیں۔

۴۔ اگر دلیل کی اتباع کی جائے تو یہ تقلید نہیں کہلاتی۔

اب تو یقیناً مفتی صاحب یعنی صاحبِ ''ہدایت یا گمراہی'' امام صاحب کے فرمان کو پڑھ کر یہی سوچتے اور کہتے ہوں گے۔

بقول شاعر:-

ے زخم ایسے نہیں کہ بھر جائیں
اب تو آرزو ہے کہ مرجائیں
کوئی منزل نہیں رہی ہے اپنی
کوئی بتلائے کہ ہم کدھر جائیں

البتہ خیر خواہی کے طور پر ہم اتنی گزارش ضرور کریں گے۔

ے قصور کس کا ہے اپنے ضمیر سے پوچھو
خدا کے واسطے تقدیر کا گلہ نہ کرو

(۲) امام مالک رحمہ اللہ کا قول:-

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿انما انا بشر اخطئ واصيب فانظروا في رأي فكلما وافق الكتاب والسنة فخذوه وكلمالم يوافق فاترُكوه﴾

(جلب المنفعة: ص ٦٨)

میں ایک انسان ہوں خطاء اور صواب (غلط اور صحیح) دونوں کہہ سکتا ہوں پس تم میری رائے کو پرکھا کرو جو بات قرآن وسنت کے موافق ہو اسے لے لیا کرو اور جو بات موافق نہ ہو اسے ترک کر دیا کرو۔

گویا امام مالک رحمہ اللہ نے بھی اپنے ہر قول کو قرآن وسنت کی کسوٹی پر پیش کرنے کا حکم دیا ہے عرفِ عام میں اسے تحقیق کہتے ہیں تقلید نہیں۔

(۳) امام شافعی رحمہ اللہ کا قول:-

امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگرد امام مزنی رحمہ اللہ اپنے استاذ سے روایت کرتے ہیں کہ:

نهى عن تقليده اِمام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی اور دوسروں کی

وتقليد غيره تقلید کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ حکم

لينظر فيه لدينه دیا ہے کہ ہر ایک شخص اپنے دین کیلئے

ويحتاط لنفسه خود دیکھے اور احتیاط سے کام لے۔

(مختصر المزنى: ص ٢ ج ١ على حا شيه كتاب الام)

(٤) امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول:-

امام صاحب فرماتے ہیں:

لا تقلدوني ولا تقلدن مالكاً ولاالأوزاعي

ولاالنخعي ولا غيرهم وخذوا الأحكام من

حيث أخذوا من الكتاب والسنة

(عقدالجيد: ص ٨١)

نہ تم میری تقلید کرو نہ امام مالک رحمہ اللہ کی تقلید کرو، نہ امام اَوزاعی رحمہ اللہ کی تقلید کرو اور نہ کسی اور کی تقلید کرو بلکہ جس طرح انہوں نے احکام ومسائل قرآن وحدیث سے لئے ہیں تم بھی وہیں سے لو۔

(۵) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول:-

صحابی رسول سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

﴿**لايقلدن رجل رجلا**﴾

(ميزان الكبرىٰ شعرانى: ص ٤٧ ج ١، مجمع الزوائد)

کوئی شخص کسی شخص کی تقلید نہ کرے۔

مندرجہ بالا تمام اقوال تقلید کی نفی کیلئے کافی وشافی ہیں۔

محترم مفتی صاحب ائمہ اربعہ کے اقوال کا مشاہدہ فرمائیں اور صحابی رسول جناب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مشاہدہ فرمائیں اور پھر اپنے ضمیر سے فیصلہ کریں کہ اخذ دین کا صحیح طریقہ آنکھوں پر پٹی باندھ کر کسی کے قول وفعل کو دین سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہونا ہے یا پٹی کھول کر قرآن وسنت سے رہنمائی حاصل کرنا ہے؟

تقلید کی حقیقت

اعتراض ۱۴:-

صاحبِ ’’ہدایت یا گمراہی‘‘ فرماتے ہیں:

تقلید کی حقیقت صرف یہی ہے کہ تقلید کرنے والا اپنے امام کی تقلید یہ سمجھ کر کرتا ہے کہ وہ دراصل قرآن وسنت پر عمل کر رہا ہے اور صاحبِ شریعت ہی کی پیروی کر رہا ہے۔ (ہدایت یا گمراہی: ص ۴۰)

جواب:-

اولاً تقلید کی یہ تعریف نہیں، ثانیاً صرف اپنے تائیں سمجھ لینے سے حلت وحرمت کے مسائل حل نہیں ہوتے مثلاً اگر کوئی بدبخت گوہ کو حلوا سمجھ کر کھانا شروع کردے تو یہ اس کیلئے حلال نہیں ہوگا۔ محترم مفتی صاحب بتائیں کہ فقہ حنفی کے عاملین میں سے ایک گروہ کو بریلوی کہا جاتا ہے اگر تقلید کی مذکورہ تعریف کو اصل حقیقت تسلیم کرلیا جائے تو پھر بریلویوں کو برا بھلا کہنے اوران کے عقائد کو خلاف شرع کہنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا اس لئے کہ ہر بریلوی اپنے تائیں یہی سمجھ لیتا ہے کہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی کے عقائد ونظریات کو تسلیم کرنا درحقیقت قرآن وسنت کی پیروی ہے کیونکہ وہ سچے عاشقِ رسول تھے۔

تو کیا بریلوی حضرات کا ایسا تصور کرلینا قرآن وسنت کی پیروی کہلائے گا؟ ہرگز نہیں ......البتہ

ع:- دل کے بہلانے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

اسلاف پر اعتماد کیجئے لیکن اتباع صرف رسول اللہ ﷺ کی کیجئے

اعتراض ۱۵:-

صاحبِ ’’ہدایت یا گمراہی‘‘ فرماتے ہیں:

انسان اپنے اسلاف مجتہدین علماء کی عقل وفہم وبصیرت پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی اتباع کرے۔ (ہدایت یا گمراہی: ص ۴۱)

جواب:-

علماء پر ضرور اعتماد کیجئے لیکن علماء کی عقل وفہم وبصیرت نہ تو دین ہے اور نہ دین کا اتباع، علماء پر اعتماد کے معنی یہ ہیں کہ وہ اگر آپ کو قرآن وحدیث کی کوئی بات بتائیں تو آپ اسے قرآن وحدیث کی بات تسلیم کرلیں یہ اعتماد ہے اعتماد کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ وہ جو کچھ کریں یا جو کچھ کہیں اسے قرآن وحدیث تسلیم کرلیا جائے یہ سراسر گمراہی ہے۔

اس لئے کہ قرآن منزل من اللہ ہے اور حدیث رسول اکرم ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کا نام ہے پھر ایک امتی کے قول وفعل کو شریعت مطہرہ کا نام کیونکر دیا جاسکتا ہے۔

لطیفہ

ایک دیہاتی حج کرنے گیا یہ سیدھا سادھا اور بالکل ان پڑھ شخص تھا وہاں اس نے دو سعودیوں کو جھگڑتے ہوئے دیکھا چونکہ ان کی مادری زبان عربی تھی وہ ہر قسم کی گالم گلوچ اپنی عربی زبان میں کر رہے تھے دیہاتی نے عربی زبان میں بڑی روانی کے ساتھ جب گالیاں سنیں تو جھٹ سے جیب سے رومال نکال کر ادباً سر پر ڈال لیا اور تحت السرہ ہاتھ باندھ کر احتراماً کھڑا ہوگیا جب تک گالیوں کی بارش ہوتی رہی اس کی یہ وجدانی کیفیت برقرار رہی۔

فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد جب وطن واپس لوٹا تو علاقے والوں کو وہاں کے حالات سے آگاہ کیا اور کہا کہ ''سبحان اللہ مکہ و مدینہ کی سرزمین پر بسنے والے لوگ اتنے نیک اور متقی ہیں کہ اگر ان کا جھگڑا ہو جائے تو غصے میں بھی ایک دوسرے کو قرآن ہی سناتے ہیں''۔ میرے بھائیو!

قرآن عربی زبان میں ضرور نازل ہوا ہے لیکن ہر عربی زبان قرآن نہیں کہلاتی، علماء پر اعتماد اچھی چیز ہے لیکن علماء کو شارع تصور کرنا انتہائی نامناسب بات ہے قرآنِ مجید نے بھی آسان انداز میں اس گتھی کو سلجھاتے ہوئے فرمایا:

﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون بالبينات والزبر﴾ (سورۃ النحل:۴۳،۴۴)

جو بات تمہیں معلوم نہیں وہ علماء سے دریافت کرو لیکن دلائل و براہین کے ساتھ معلوم کرو، یہاں (فاسئلوا) پر تو عمل پیرا ہونے کا درس دیا جاتا ہے لیکن فاسئلوا کی غایت بالبینات والزبر (دلائل و براہین) کو یکسر نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔

تیرا سوال ہی غلط ہے

طبرانی کی روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک مجلس میں موجود تھے کسی سائل نے سوال کیا:

اے انس رضی اللہ عنہ! وضو کا کیا طریقہ ہے؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

تیرا سوال ہی غلط ہے۔

حالانکہ دیکھا جائے تو بظاہر سوال میں کوئی غلطی نظر نہیں آ رہی سائل نے عرض کیا مجھے جس طرح سوال کرنا آتا تھا میں نے کیا اگر آپ کو سوال میں کوئی غلطی نظر آ رہی ہے تو پہلے اُسے درست کر دیجئے پھر میرے سوال کا جواب دے دیجئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

کہ تو مجھ سے وضو کا طریقہ معلوم کرتا ہے میں جو طریقہ بتا دوں گا تو اسے دین سمجھ کر اس پر عمل پیرا رہے گا اور یہی تیرے سوال کی بنیادی غلطی ہے کہ تو مجھ سے یہ نہ پوچھ کہ

''اے انس رضی اللہ عنہ! وضو کا کیا طریقہ ہے'' بلکہ یہ پوچھ!

''اے انس رضی اللہ عنہ! اللہ کے رسول ﷺ وضو کیسے کیا کرتے تھے''؟۔

اسلئے کہ انس رضی اللہ عنہ کا طریقہ دین نہیں ہے رسول اللہ ﷺ کا طریقہ دین ہے بس اتنی سی بات سمجھ میں آ جائے تو اِن شاءاللہ العزیز مقلدین کے گلے میں پڑے ہوئے تقلید کے طوق اور پاؤں میں پڑی ہوئی تقلید کی بیڑیاں اللہ کے فضل سے ٹوٹنا شروع ہو جائیں گی۔

تقلید کی اس غلامی سے آزاد ہوتے ہی رسول اکرم ﷺ کی اتباع کا دامن تھام لیا جائے تو دنیا میں اس سے بڑی نعمت کوئی نہیں اگر علماء، فقہا اور مجتہدین کی پیروی دین ہوتی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو یہ کہنے کی ضرورت پیش نہ آتی:

۱۔ حرام علیٰ من — جس کو میرے قول کی دلیل

لم يعرف دليلي — معلوم نہ ہو اسے میرے قول پر

أن يفتي بكلامي — فتویٰ دینا حرام ہے۔

(التاریخ لإبن معین عن زفر بحوالہ صلوٰۃ النبی ﷺ للالبانی)

۲۔ لایحل لاحدأن یفتی کسی کے لیے حلال نہیں ہے کہ
بقولنا مالم یعرف وہ میرے قول کی دلیل جانے
من أین قلناہ بغیر اُس پر فتویٰ دے۔

(عقود رسم المفتی: ۲۵ م قدیمی کراچی)

مذکورہ ہر دو اقوال سے امام صاحب رحمہ اللہ یہی باور کرانا چاہتے ہیں کہ میرا قول دین نہیں ہے اسلئے اتباع دلیل کی ہونی چاہئے۔

راستے کو منزل نہیں کہتے

اعتراض ۱۶:-

صاحبِ ''ہدایت یا گمراہی'' فرماتے ہیں:

دین ہم تک ایک سلسلہ کے ذریعہ پہنچا ہے اگر اس سلسلہ کو بیچ سے ہٹا دیا جائے تو ہم تک دین کے پہنچنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی اور یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے۔

(ہدایت یا گمراہی: ص ۴۲)

جواب:-

اس نا قابل انکار حقیقت سے کس کو انکار ہے سلسلے کو سلسلہ رہنے دیا جائے تو خیر ہے اور اگر سلسلے کو دین سمجھ لیا جائے تو پھر شر ہے ''سلسلہ'' دین تک رسائی کا ایک ذریعہ ہے بس! دین نہیں ہے۔

جس طرح راستہ منزل تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے لیکن کوئی شخص راستے کو منزل سمجھ کر ڈیرہ ڈال لے تو وہ شخص اصل منزل تک کبھی نہیں پہنچ سکتا سیڑھی چھت پر پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے لیکن سیڑھی کو چھت نہیں کہتے۔

اس کی تائید عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو صاحبِ ''ہدایت یا گمراہی'' نے ص ۴۵ پر نقل کیا ہے۔

''سند دین میں سے ہے اگر سند نہ ہوتی تو جو کوئی جو کچھ چاہتا وہ کہتا لہٰذا اسناد اور اپنا سلسلہ وہاں سے جوڑنا چاہئے جہاں سے یہ علم چلا ہے یہ بہت ضروری ہے ۔(ہدایت یا گمراہی: ص ۴۵)

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا مذکورہ قول جو محترم مفتی صاحب نے درج فرمایا ہے پر غور فرمائیں، لکھتے ہیں:

''اپنا سلسلہ وہاں سے جوڑنا چاہئے جہاں سے یہ علم چلا ہے یہ بہت ضروری ہے''۔

ہمیں عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے قول سے سو فیصد اتفاق ہے ہم بھی یہی گزارش کر رہے ہیں کہ اسناد کے اس سلسلہ کو راستہ سمجھتے ہوئے منزل تک پہنچنے کی بھرپور کوشش کی جائے اور اس میں اصل منزل وہ ہے جہاں سے یہ علم چلا ہے اور یقیناً جب آپ علم کے اُس منبع کو تلاش کرتے ہوئے سفر کریں گے تو آپ کے قدم رسول اکرم ﷺ کی دہلیز پر ہی جا کر رکیں گے اور یہی اصل متاعِ دین ہے۔

؎ یہ تیری معراج کہ تو لوح وقلم تک پہنچا
یہ میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

کیا فقہاء کے ساتھ نسبت جوڑنا ضروری ہے؟

اِعتراض ۱۷:-

صاحبِ ''ہدایت یا گمراہی'' فرماتے ہیں:

علماء وفقہاء کے ساتھ اپنی نسبت وسند جوڑنا ضروری ہے۔

(ہدایت یا گمراہی: ص ۴۶)

جواب:-

قرآن وسنت سے اس بات کا قطعاً ثبوت نہیں ملتا کہ کسی امتی کی طرف نسبت کرکے اپنی جماعت یا مسلک کا کوئی وصفی نام رکھا جائے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی المناک شہادت کے بعد اُمّتِ مسلمہ میں فتنہ وفساد، جنگ وجدل اور گروپ بندی نے جنم لیا ایسے ماحول میں کسی نے مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ علوی ہیں یا عثمانی؟ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

لستُ علٰی ملّةِ عَلِیٍّ	میں نہ تو ملتِ علی رضی اللہ عنہ پر ہوں
ولا ملّةِ عثمان بل	اور نہ ملتِ عثمان رضی اللہ عنہ پر بلکہ
انا علٰی ملة	میں تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کی ملت پر ہوں۔

(الأحکام فی أُصول الأحکام: جلد ۱ ج ٤ ص ٦٠٧)

آپ دیکھیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے شخصی نسبت کی کس شدومد سے نفی فرمائی ہے حالانکہ جس طرح مقلدین یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ کیا ابوحنیفہ رحمہ اللہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر نہیں تھے؟ جو آپ لوگ ہمیں ان کی طرف نسبت کرنے سے روکتے ہو۔

یہی سوال ہم مقلدین سے کرنا چاہیں گے کہ کیا نعوذ باللہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی نظر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر نہیں تھے؟ جو انہوں نے اپنی نسبت ان میں سے کسی سے جوڑنی پسند نہ فرمائی۔

۲۔ کیا ملّتِ علی، ملّتِ عثمان اور ملّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تین الگ الگ ملتیں تھیں؟

۳۔ اگر یہ تینوں ملتیں ایک ہی ملت تھیں تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو اس وضاحت کی کیوں ضرورت پیش آئی کہ ﴿ لست علی ملة علی ولا ملة عثمان ﴾ میں نہ تو علی رضی اللہ عنہ کے طریقہ پر ہوں اور نہ عثمان رضی اللہ عنہ کے طریقہ پر ہوں ﴿ بل انا علی ملّة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ﴾ بلکہ میں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ہوں۔

اس وضاحت کا اور کیا مقصد ہوسکتا ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ ہمیں یہ درس دینا چاہتے ہیں کہ شخصی نسبتوں سے بچو اگرچہ وہ شخصیت صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی کیوں نہ ہو اور اپنی نسبت وہاں سے جوڑو جہاں سے دین چلا ہے۔

تقلید کو علی الاطلاق ناجائز قرار دینا درست موقف ہے

اِعتراض ۱۸:-

صاحبِ ''ہدایت یا گمراہی'' محترمہ ڈاکٹر فرحت نسیم ہاشمی صاحبہ کے عقائد ونظریات پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ محترمہ ڈاکٹر صاحبہ تقلید کو

ناجائز قرار دیتی ہیں جبکہ قرآن کی آیات، احادیث نبویہ واقوال صحابہ وتابعین اس بات کی شاہد ہیں کہ تقلید کرنا ضروری اوراہم ہے۔

(ہدایت یا گمراہی: ص ۴۹)

جواب:-

قرآن کی کس آیت سے اللہ نے تقلید کو ضروری قرار دیا ہے؟ اور کونسی احادیثِ نبویہ ﷺ اور اقوالِ صحابہ ہیں جن سے تقلید کی فرضیت ثابت ہوتی ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ قرآن وحدیث سے تقلید کی تائید ملنا تو بہت دور کی بات ہے خود ائمہ اربعہ سے بھی اس کی تائید نہیں ملتی بلکہ ائمہ اربعہ نے بھی اس کی مخالفت کی ہے جسے ہم ''تقلید کی ممانعت اور ائمہ اربعہ'' کے عنوان سے گزشتہ صفحات میں واضح کر چکے ہیں تقلید کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم قرار دینا اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر بہتان باندھنے کے مترادف ہے۔

تقلید کیوں شرک نہیں ہے؟

جس طرح اللہ رب العالمین نے عبادت میں شرک کو ناپسند کیا ہے بعینہٖ اپنے حکم میں شراکت کو بھی ناپسند کیا ہے۔

۱۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ (الکهف: ۱۱۰)

اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

۲۔ دوسرا حکم ہے:

﴿ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَداً﴾ (الکهف: ۲۶)

اس کے حکم (احکامات) میں کسی کو شریک نہ کریں۔

جس طرح اللہ کی عبادت میں شراکت حرام ہے اسی طرح اللہ کے احکامات میں بھی شراکت حرام ہے۔

۳۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَالَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللهُ﴾

کیا ان کیلئے ایسے شریک ہیں جو ان کے لئے دین سازی کرتے ہیں

جس کے بنانے کی اللہ نے انہیں اجازت نہیں دی۔ (الشوریٰ: ۲۱)

اس آیت کے تحت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ حنفی لکھتے ہیں:

''اللہ نے نبیوں کی زبانی آخرت کا اور دین حق کا راستہ بتلا دیا کیا اس کے سوا کوئی اور ہستی ایسی ہے جسے کوئی دوسرا راستہ مقرر کرنے کا حق اور اختیار حاصل ہو کہ وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام ٹھہرا دے پھر آخر ان مشرکین نے اللہ کی وہ راہ چھوڑ کر جو انبیاء علیہم السلام نے بتلائی تھی دوسری راہیں کہاں سے نکال لیں''۔

(قرآنِ مجید مترجم ومحشی علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ ص ۶۲۹)

۴۔ ارشادِ الٰہی:

﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ (سورة الاعراف: ٥٤)

یہ مخلوق بھی اللہ کی ہے اور حکم بھی اللہ کا چلے گا۔

گویا اللہ رب العزت نے اپنے حکم کیلئے دلیل یہ ارشاد فرمائی کہ اس خلقت کا خالق میں ہوں اس لئے یہ حق بھی صرف میرا ہے کہ میری خلقت پر میرا حکم اور میرا ہی قانون چلے۔

۵۔ ﴿إِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (یوسف: ۴۰) حکم صرف اللہ ہی کا ہے۔

جس طرح اللہ احکم الحاکمین کو اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے وحدت پسند ہے اور شراکت کو مطلق ناپسند کرتا ہے اسی طرح وہ اپنے حکم (احکامات) میں بھی شراکت کو قطعی ناپسند کرتا ہے۔

چونکہ مقلد حلت وحرمت کا اختیار اور جائز وناجائز کا اختیار، اس امام کو سونپ کر زندگی گزارتا ہے جس کی وہ تقلید کرتا ہے یہی وہ شراکت ہے جسے اللہ نے حرام اور شرک قرار دیا ہے۔

۶۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِتَّخَذُوا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَاباً مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (التوبہ: ۳۱)

ان لوگوں نے اپنے علماء اور مرشدوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا ہے۔

اسکے مصداق یہی لوگ ہیں، سورہ شوریٰ کے الفاظ اپنے معنوں میں اس قدر واضح اور روشن ہیں کہ اگر آنکھوں پر تقلید کی سیاہ پٹی نہ بندھی ہو تو قسم ہے پیدا کرنے والے کی مسلمان انہیں پڑھنے کے بعد اللہ کی اطاعت اور نبی کریم ﷺ کی اتباع کا دامن کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔

﴿ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّيْنِ ﴾ (الشوریٰ: ۲۱)

کیا ان کے ایسے شریک ہیں جو ان کیلئے دین سازی کا کام کرتے ہیں؟

یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ یہاں شرکاء سے مراد پتھر کے بت نہیں اور نہ وہ شرکاء جن کے مزارات پر میلے اور ٹھیلے لگائے جاتے ہیں، جن کے نام کی نذر ونیاز کی جاتی ہے، جن کی قبروں کے طواف کئے جاتے ہیں، جن کے نام پر عرس اور قوالیوں کی محفلیں سجائی جاتی ہیں، اُن سے اولادیں اور مرادیں مانگی جاتی ہیں بلکہ ﴿شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّيْنِ﴾ سے واضح ہو رہا ہے کہ یہاں وہ شریک مراد ہیں جن کے قول وفعل کو آدمی دین کا درجہ دے کر اس پر عمل پیرا ہوتا ہے وہ جسے حلال کہہ دے اسے حلال سمجھا جاتا ہے اگر چہ وہ حرام ہو، وہ جسے حرام کہہ دے اسے حرام سمجھا جاتا ہے اگر چہ وہ حلال ہو، بندہ اس کیلئے زمانہ حال اور ماضی قریب کی دو مثالیں آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہے تاکہ بات کھل کر سامنے آجائے۔

حدیث جاتی ہے تو جائے مگر تقلید نہ جائے

۱۔ محترم جناب تقی عثمانی صاحب کا قول ہے فرماتے ہیں کہ: ''ہر حال میں تقلید ہی واجب ہے اور اپنے امام یا مفتی کے قول سے خروج جائز نہیں خواہ اس کا کوئی قول ان کو بظاہر حدیث کے خلاف ہی معلوم ہو......''۔

(درسِ ترمذی: ج ا ص ۱۲۲، م دار العلوم کراچی)

۲۔ بانی مدرسہ دیو بند جناب مولانا محمود الحسن صاحب بیع وخیار کے مسئلہ کی بابت حدیث پڑھنے کے بعد فرماتے ہیں؛ یہ حدیث صحیح ہے ''الحق والانصاف أن الترجیع للشافعی فی هذه المسئلة'' حق وانصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس مسئلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کو ترجیح ہے، (لیکن ہم اس مسئلہ کو ماننے سے قاصر ہیں) کیونکہ'' نحن مقلدون یجب علینا تقلید امامنا ابی حنیفة''، ہم مقلد ہیں اور ہم پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید واجب ہے۔

(تقریر ترمذی: ص ۳۹)

حدیث جاتی ہے تو جائے مگر تقلید نہ جائے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

مذکورہ بالا ہر دو اقوال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تقلید اصلاً حدیث دشمنی کا دوسرا نام ہے، نام نہاد علماء نے کس طرح عوام الناس کو قرآن وسنت سے دور رکھنے کے مختلف حیلے اور ذرائع پیدا کئے ہیں ایسے ہی علماء کے کردار کی ایک جھلک شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے درج ذیل عبارت میں پیش کی ہے۔

﴿فان شئت أن ترى انموزج اليهود فانظر الىٰ علماء السوء من الذين يطلبون الدنياو قد اعتادوا تقليد السلف واعرضوا عن نصوص الكتاب والسنة وتمسكوابتعمق عالم وتشدده واستحسانه فاعرضوا عن كلام الشارع المعصوم وتمسكوا باحاديث موضوعة وتاويلات فاسدة كانت سبب هلا كهم﴾(الفوز الكبير :ص۲۷، قديمی کراچی)

اگرتم یہود کانمونہ دیکھنا چاہوتوان علماءِسوءکودیکھوجودنیاکے طالب بن کرتقلید کاروگ لگا بیٹھے ہیں اورقرآن وسنت کی نصوص سے منہ پھیرلیاہےاورایک ہی عالم(امام) سے چمٹ کررہ گئے ہیں اورمعصوم شارع ﷺ کےکلام (حدیث پاک) کوترک کردیاہے(اپنے اس باطل مذہب کو) من گھڑت روایات اور فضول تاویلوں سے خوب مضبوط بناکراسی سے چمٹے ہوئے ہیں پس یہودونصاری کی ہلاکت کا سبب بھی یہی روش تھی۔(الفوزالکبیر:ص۲۷قدیمی کراچی)

غرض قرآنِ مجید کی آیات،احادیث نبویہ،اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم اورائمہ اربعہ کےاقوال سے یہی ثابت ہوتاہے کہ ایک مسلمان پرلازم ہے کہ وہ تقلید جیسی گمراہی سے بچے،ان شواہد کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں محترمہ ڈاکٹرفرحت صاحبہ کاتقلیدکوشرک کہنےکا موقف قرآنی موقف کےعین مطابق ہےاورمبنی برصواب ہے بلکہ محترمہ ڈاکٹرفرحت صاحبہ اس ضمن میں مبارک باد کی مستحق ہیں کہ انہوں نے اللہ کی دی ہوئی توفیق سے ایمانی اوراخلاقی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دنیاکی لاکھوں کروڑوں بہنوں کوتقلید سے بچنےکادرس دیاجس کی توفیق آٹھ آٹھ سال مدرسوں میں کھپاکر دَستارِفضیلت حاصل کرنے والے بعض نام نہادمفتیوں کوبھی حاصل نہ ہوسکی۔(ذالک فضل الله یؤتیه من یشاء)

ع:- یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑےنصیب کی بات ہے۔

گلاسکویونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری

اِعتراض۱۹:-

صاحبِ ’’ہدایت یاگمراہی‘‘فرماتے ہیں:

ڈاکٹرصاحبہ نےگلاسکویونیورسٹی سےپی۔ایچ۔ڈی۔کی ہےصرف یہی بات ان کےقرآن فہمی کی اسنادکیلئے کافی ہےاوراس سےان کی علمی حقیقت اُجاگرہوجاتی ہے۔

(ہدایت یاگمراہی:ص۴۸)

جواب:-

بیرونِ ملک ڈگری حاصل کرنے والی محترمہ ڈاکٹرفرحت صاحبہ پہلی خاتون نہیں ہیں ان سے بیشترہزاروں افرادنےجن میں خواتین وحضرات دونوں شامل ہیں پاکستان سے باہرڈگریاں حاصل کی ہیں اورانہیں کسی نےبھی کوئی عیب تصورنہیں کیامحترمہ فرحت صاحبہ نےکونسی انوکھی ڈگری حاصل کرلی ہےجس سےایک مخصوص طبقےمیں بھونچال ساآگیاہے۔

ملک کے بیشترنامورڈاکٹرز،اسکالرزموجودہیں جنہوں نے ملک سے باہرمختلف غیرمسلم ممالک سےپی۔ایچ۔ڈی۔کی ڈگری حاصل کی۔

اوران میں سےایک کےسواباقی تمام ڈاکٹرزکاتعلق بھی مفتی مطیع الرحمٰن صاحب کے مسلک سے ہےجن میں سے چندنام بطورِحوالہ حسبِ ذیل ہیں تاکہ سندرہےاوربوقت ضرورت کام آئے۔

اسماءِ گرامی..........جهاں سے ڈگری حاصل کی

۱۔ محترم جناب ڈاکٹراخترسعیدصاحب (برطانیہ)

۲۔ محترم جناب ڈاکٹرطفیل ہاشمی صاحب (امریکہ)

۳۔ محترم جناب ڈاکٹرعبدالرشید صاحب (امریکہ)

۴۔ محترم جناب ڈاکٹرحمیداللہ صاحب (جرمنی)

۵۔ جناب ڈاکٹرعبدالکریم سکندر صاحب (قاہرہ)

۶۔ محترمہ جناب ڈاکٹر ریحانہ فردوس صاحبہ (برطانیہ)

(ii) مختلف قوموں اور ممالک کی زبانیں سیکھنا کوئی عیب کی بات نہیں بلکہ خوبی ہے اور اگر انگریزوں کی زبان سیکھنا ہی حرام ہے تو یہ زبان تو محترم تقی عثمانی صاحب نے بھی سیکھی ہے، اُنکی متعدد کتب اس زبان میں موجود ہیں۔

انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی میں ان کا انتخاب یقیناً عالمِ اسلام کے بڑے بڑے علماء نے تدریس کیلئے کیا ہوگا؟ اور بہت عرصہ تک وہ وہاں پڑھاتی بھی رہی ہیں ان کے شوہر بھی عصری علوم کے ساتھ ساتھ جہاں فاضل درسِ نظامی ہیں وہاں ایک بہت بڑے علمی گھرانے سے ان کا تعلق ہے اور پی۔ایچ۔ڈی۔ کیلئے بھی دونوں نے ایک ساتھ اپنا مقالہ پیش کیا اور تمام عرصہ محترمہ فرحت صاحبہ اپنے خاوند جناب ڈاکٹر ادریس زبیر صاحب کے ساتھ حصولِ تعلیم میں بیرونِ ملک قیام پذیر رہیں اور یہ بھی کوئی معیوب بات نہیں۔

۳۔ اگر عصری علوم غیر مسلموں سے سیکھنا حرام ہیں تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ بلکہ رسول اکرم ﷺ سے جو ثابت ہے اس سے ہمارا موقف مضبوط تر ہو جاتا ہے چنانچہ میدانِ بدر میں کفار کے پڑھے لکھے سرغنے جب مسلمانوں کے قابو میں آئے اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشاورت کے بعد ان سے فدیہ لے کر چھوڑنے کا عزم کیا تو ان قیدیوں میں کچھ ایسے لوگ بھی سامنے آئے جو مالی طور مستحکم نہیں تھے اور وہ فدیہ دینے کی سکت نہیں رکھتے تھے چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے بارہ میں یہ فیصلہ فرمایا کہ وہ ہمارے دس دس آدمیوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو ہم انہیں رہا کر دیں گے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلموں سے علم و ہنر حاصل کرنا شریعت کی نظر میں معیوب نہیں ہے درحقیقت کتاب وسنت کی دعوت دینا اور عوام الناس کی آنکھوں سے تقلید کی سیاہ پٹی کھولنا ہی محترمہ ڈاکٹر فرحت صاحبہ کا اصل جرم ہے اسی جرم کی پاداش میں انہیں مقلدین کی مخالفت کا سامنا ہے ورنہ اگر ڈاکٹر صاحبہ گلاسکو یونیورسٹی سے پی۔ایچ۔ڈی۔ کرنے کے بعد فروغ دین کا ادارہ (الہدیٰ) قائم کرنے کے بجائے فروغ حنفیت کا ادارہ قائم کرتیں تو آج ان معترضین کی نظر میں گلاسکو یونیورسٹی کی ڈگری مکہ اور مدینہ کی ڈگریوں سے بھی بڑھ کر ہوتی۔

محترمہ ڈاکٹر فرحت صاحبہ کی خدمت میں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ

؎ تندیِ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

ان شاء اللہ کامیابی و کامرانی حق ہی کا مقدر ہے اسلئے کہ نصرتِ الٰہی صرف اور صرف اہل حق کو حاصل رہی ہے۔

؎ گوہر کی طلب میں جو اُتر جاتے ہیں تہہ تک
وہ ریت کے ذروں پہ گزارا نہیں کرتے
بپھری ہوئی موجوں سے لڑا کرتے ہیں یارو
طوفان میں ساحل کو پکارا نہیں کرتے

اِعتراض ۲۰ :-

صاحبِ ’’ہدایت یا گمراہی‘‘ فرماتے ہیں تفسیر قرآن کیلئے پندرہ علوم کی مہارت کو ضروری قرار دیا گیا ہے......موصوفہ کو ان علوم کے نام بھی یاد ہوں تو بڑی بات ہے۔

(ہدایت یا گمراہی: ص ۵۱)

جواب:-

جو کچھ مفتی صاحب نے لکھا ہے!

کیا یہ کسی آیتِ قرآنی سے مأخوذ ہے؟

یا کسی حدیثِ نبوی ﷺ کی عبارت ہے؟

قرآنِ مجید پڑھا جائے تو معلوم ہوتا ہے:

﴿ولقد یسّرنا القرآن للذّکر فهل من مدّکر﴾

کہ ہم نے قرآن کو تمہارے سمجھنے کیلئے آسان کیا ہے کوئی ہے سمجھنے والا؟

کیا قرآنِ مجید جس چیز کو سہل کہہ رہا ہے وہ سہولت یہی ہے کہ جب تک چودہ پندرہ علوم نہ پڑھ لو گے تب تک تم قرآنِ مجید نہ تو پڑھ سکتے ہو اور نہ سمجھ سکتے ہو۔

۲۔ علماء نے جو پندرہ علوم کی شرط رکھی ہے وہ شرط مبلغ کیلئے نہیں بقول مفتی صاحب کے وہ مفسر کیلئے ہے مبلغ کیلئے تو رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

﴿بلغوا عنی ولو آیة﴾

میری طرف سے پہنچا دو اگر چہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔

کیا مفتی صاحب یہاں بھی وہ شرط عائد کریں گے کہ آیت پہنچانے سے پہلے وہ پندرہ علوم سیکھے جائیں کیا جب تک ان علوم پر عبور نہ ہو تو ایک مسلمان اسلاف کی تفاسیر اور اسلام کے موضوع پر لکھی گئی کتب کا مطالعہ بھی نہیں کر سکتا؟

اگر فہم قرآن کیلئے انہیں پندرہ علوم کا جاننا ضروری ہے اور ان علوم کے بغیر قرآن فہمی ممکن نہیں ہے تو علماءِ احناف نے اردو تراجم اور اردو تفاسیر کن لوگوں کیلئے لکھی ہیں اور کیوں؟

اگر ایک اردو دان مولانا مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ کی تفسیر معارف القرآن خرید کر اس کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ قرآن کو کیونکر سمجھے گا اس لئے کہ وہ ان پندرہ علوم کے نام تک سے واقف نہیں ہے۔

دریا سے موتی نکالنا واقعی مشکل کام ہے اور اس کیلئے اس فن میں مہارت ضروری ہے لیکن نکلے ہوئے موتی اگر دھاگے میں پرو کر رکھے ہوں تو انھیں گلے میں ڈالنا تو آسان ہے۔محترمہ ڈاکٹر صاحبہ جو مسائل اپنے دروس میں بیان کرتی ہیں وہ ان کی اختراع نہیں، وہ اسلاف کی کتب کے مطالعہ سے ایسا کہتی ہیں محترم مفتی صاحب (صاحبِ ''ہدایت یا گمراہی'') نے جو مسائل ان کی طرف منسوب کئے ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر مبالغہ آرائی پر مبنی ہیں اور بعض تو الزام تراشی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔

راقم نے جواب لکھنے سے قبل موصوفہ کی طرف منسوب کردہ مسائل کی حقیقت جاننے کی کوشش کی تو ناچیز پر یہ راز افشاں ہوا کہ محترم مفتی صاحب حقیقت سے لاعلمی کی بنیاد پر پہاڑ بناتے چلے گئے، البتہ محترمہ ڈاکٹر صاحبہ کی طرف منسوب جملہ مسائل جاننے سے بندہ قاصر رہا تاہم چیدہ چیدہ مسائل کے بارہ میں موصوفہ کے نظریات کو کتاب وسنت سے متصادم نہیں پایا۔

کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے

اِعتراض ۲۱:-

صاحبِ ''ہدایت یا گمراہی'' فرماتے ہیں:

محترمہ کا ایک گمراہ کن طریقہ کار یہ ہے کہ دینی علوم سے بالکل نابلد بچیوں کو ایک سالہ درس قرآن کا کورس کروا کران کو اپنے اپنے علاقہ میں درس قرآن دینے کا اہل قرار دے کران کو درس قرآن کیلئے مقرر کرنا ہے۔

(ہدایت یا گمراہی: ص ۵۷)

جواب:-

یہ بچیاں کم از کم ان بچیوں سے تو بہتر ہیں جو ناظرہ قرآن سے آگے نہیں بڑھ سکیں کورس کا دورانیہ تو گھٹایا اور بڑھایا جا سکتا ہے مدت کا تعین، ادارے کی اپنی صوابدید پر ہے لیکن کیا ایک سالہ کورس شرعاً معیوب ہے اگر یہ معیوب ہے تو پھر اس سے اقل مدت تو معیوب تر ہوگی۔

محترم تقی عثمانی صاحب کا سہ ماہی کورس

بیت المکرّم مسجد گلشن اقبال یونیورسٹی روڈ کراچی میں ہر سنڈے کو محترم تقی عثمانی صاحب ایک کلاس لگاتے ہیں جس میں صرف تاجر برادری داخلہ لے سکتی ہے جس کا دورانیہ بظاہر تین ماہ ہے اس میں اسلام کا معاشی نظام یعنی کیا حلال ہے اور کیا حرام پڑھایا جاتا ہے۔

اور یہ تین ماہ بھی مسلسل نہیں ہیں بلکہ ہفتہ میں دو دن کلاس ہوتی ہے یعنی مہینہ میں آٹھ دن اور اس طرح تین ماہ میں کل چوبیس دن ہوئے۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ الہدیٰ سینٹر ایک سال کا کورس کرائے تو بھی معیوب ہے اور اپنے ہم مسلک ۲۴ دِن کا کورس کروائیں تو بھی دستارِ فضیلت کے مستحق قرار پائیں۔

ع آخر کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

تین ہزار روپے اس کورس کی فیس رکھی گئی ہے اس کیلئے تاجر کا دیندار ہونا، باشرع ہونا، نمازی یا پرہیزگار ہونا بھی ضروری نہیں بس تین ہزار روپے دے سکتا ہو وہ داخلے کا اہل ہے اور شاید تجارتی شعبہ کا انتخاب بھی اسی لئے کیا گیا ہے کہ اس شعبہ کے لوگ اس مہنگائی کے دور میں بھی تین ہزار روپے کی فیس با آسانی دے سکیں گے۔

اب مفتی صاحب بتائیں کہ جب کالج کی لڑکیاں ایک سالہ کورس کر کے بھی فہم دین کی سعادت حاصل نہیں کر سکتیں تو تجارتی منڈیوں میں بیٹھ کر دال اور چاول کے بھاؤ بتانے والے تین ماہ میں وہ سعادت کیونکر حاصل کر سکیں گے۔ ہاں!

فہمِ دین کی یہ سعادت حاصل ہو یا نہ ہو البتہ اپنا مقصود تین ہزار روپے فی کس کے حساب سے تو حاصل ہو ہی جائے گا۔

ے مانا کہ کچھ نہیں غالبؔ
مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

۲۔ رائے ونڈ کی تبلیغی جماعت کی جہالت سے آخر چشم پوشی کیوں؟

محترمہ ڈاکٹر صاحبہ بقول مفتی صاحب کے کالج کی بچیوں کو ایک سالہ کورس تو کرواتی ہیں تب جا کر کہیں ان کو تبلیغ کی اجازت دی جاتی ہے لیکن رائے ونڈ کے مبلغین کا پورے کا پورا علم لوٹے اور تسبیح تک محدود ہوتا ہے کلمہ اور کلمے کا مطلب یاد کیا اور تین دن کا چلہ کاٹا! ایامِ ثلاثہ کا یہ کورس کرنے کے بعد اِس آخری اُمّت کا عظیم مبلغ تیار ہے، آخر مفتی صاحب کا زورِ قلم کبھی اس طرف کیوں نہیں گیا؟ اور جا بھی کیسے سکتا ہے کیوں کہ رائے ونڈ کا ہر مبلغ مفتی صاحب کا ہم مسلک ہے اور محترم مفتی صاحب کو تو صرف دین کے داعیوں سے چڑ ہے۔

ے اَنداز اَپنا دِیکھتے ہیں آئینہ میں وہ

اور یہ بھی دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو

اِسلام اور فوٹو گرافی

اِعتراض ۲۲:-

صاحبِ ''ہدایت یا گمراہی'' نے محترمہ ڈاکٹر فرحت صاحبہ کی ایک کیسٹ بعنوان ''اسلام اور فوٹو گرافی'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ ڈاکٹر صاحبہ کیمرے کی تصویر کو عکس کہتی ہیں تصویر نہیں کہتیں اور یہ استدلال قرآن مجید سورہ السباء کی آیت نمبر ۱۳ ﴿**یعملون له ما یشاء من محاریب و تماثیل و جفان کا لجواب و قدور راسیٰت**﴾ سے کرتی ہیں۔(ہدایت یا گمراہی:ص ٦٦)

جواب:-

بندہ کو محترمہ ڈاکٹر صاحبہ کی وہ کیسٹ سننے کا موقع نہیں ملا اور نہ ان کا یہ موقف ان کی کسی تحریر میں پڑھنے کو ملا اور ان دنوں جب بندہ محترم مفتی صاحب کی کتاب ''ہدایت یا گمراہی'' کا جواب لکھنے میں مصروف ہے، محترمہ ڈاکٹر فرحت ہاشمی صاحبہ اور محترم ڈاکٹر ادریس زبیر صاحب دونوں ملک سے باہر ایک کورس کی تکمیل کے سلسلہ میں چند ماہ کیلئے تشریف لے جا چکے ہیں، بایں وجہ ان کا موقف معلوم کرنا بھی بندہ کے بس میں نہیں رہا تاہم اُن کے دفتر سے جتنی بات ہمیں موصول ہوسکی ہے وہ یہ کہ محترمہ ڈاکٹر صاحبہ صرف بامرِ مجبوری جواز کی قائل ہیں۔

جیسے شناختی کارڈ، پاسپورٹ اور گورنمنٹ تعلیمی اِداروں کے داخلہ فارم وغیرہ اور میں سمجھتا ہوں کہ اتنی بات کے سبھی قائل ہیں، پھر بھی محترم مفتی مطیع الرحمٰن صاحب مرتب ''ہدایت یا گمراہی'' کی پیش کردہ عبارت پر اکتفاء کرتے ہوئے ہم اتنا گزارش کریں گے کہ قرآنِ مجید میں موجود آیت:

﴿**یعملون له ما یشاء من**	وہ(جنّات)اس کیلئے بناتے تھے جو وہ چاہتا،
محاریب و تماثیل و جفان	بلند عمارتیں، تصویریں، بڑے بڑے حوض
کا لجواب و قدور رَاسِیٰت﴾	لگن کی مانند اور ایک جگہ جمی رہنے والی
(سورة السبباء :آیت ١٣)	(اپنی جگہ سے نہ ہٹنے والی) دیگیں۔

اس آیتِ کریمہ میں لفظ تماثیل تمثال کی جمع ہے جسکے معنی ہر وہ چیز جسے کسی قدرتی شے کے مشابہ بنایا گیا ہو اس سے قطع نظر کہ وہ مشابہت کسی جاندار چیز سے ہو یا بے جان چیز سے چنانچہ عربی زبان کی معروف لغت لسان العرب میں لکھا ہے

﴿**التمثال اسم للشئ المصنوع مشبها بخلق من خلق الله**﴾

یعنی تمثال ہر اس مصنوعی چیز کا نام ہے جو اللہ کی بنائی ہوئی کسی چیز کے مشابہ ہو۔

جب تمثال سے غیر جاندار کی تصویریں بھی مراد ہوسکتی ہیں تو ہم صرف جاندار کی تصویریں کیوں مراد لیں؟ جو ایک جلیل القدر پیغمبر کے شایانِ شان بھی نہیں ہیں ہوسکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلند و بالا عمارتوں کو مزین کرنے کیلئے ان پر پھول پتیاں اور مختلف نقش و نگار کرائے ہوں جو محض عمارتی حسن کو دوبالا کرنے کیلئے ہوں اور ان میں کوئی بھی تصویر کسی جاندار چیز کی نہ ہو۔

ہمیں ایک معمولی سے معمولی آدمی کے بارہ میں بھی بدگمانی سے روکا گیا ہے چہ جائے کہ ہم ایک جلیل القدر پیغمبر کے بارہ میں بدگمان ہوں۔(العیاذ باللہ)

اور اگر کوئی انہیں جاندار چیزوں کی تصویریں ماننے پر بضد ہو تو بھی اس سے شریعتِ محمدیہ میں مصوری یا مجسمہ سازی کا جواز ہرگز ثابت نہیں ہوتا کیونکہ رحمت عالم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے اس پیشہ کے بارہ میں متعدد فرامین احادیث کی زینت ہیں جن سے اس عمل کی خوب حوصلہ شکنی ہوتی ہے چنانچہ ان فرامین کے چند نمونے قارئین کی افادیت کیلئے پیش خدمت ہیں۔

۱۔ حضرت ابو جحیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ﴿ان رسول اللہ ﷺ لعن المصور ﴾ بے شک رسول اکرم ﷺ نے مصور پر لعنت فرمائی ہے۔

(بخاری: کتاب اللباس ؛ ج ۲ ص ۸۸۱ ،البیوع ،الطلاق ،م نورمحمد کراچی)

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ:

﴿قال رسول اللہ ﷺ إن الذین یصنعون ھذہ الصور یعذبون یوم القیامۃ یقال لھم احیوا ماخلقتم ﴾

(بخاری: کتاب اللباس؛ ج ۲ ص ۸۸۰،م نورمحمد کراچی)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا بے شک وہ لوگ جو یہ تصویریں بناتے ہیں انہیں روزِ قیامت عذاب دیا جائے گا ،انہیں کہا جائے گا جو تم نے بنایا ہے اسے زندہ کرو۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ:

﴿قال رسول اللہ إن اشد الناس عذاباً یوم القیامۃ المصورون ﴾
(بخاری: کتاب اللباس؛ ج ۲ ص ۸۸۰،م نورمحمد کراچی)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا مصورون (تصویریں بنانے والے)

قیامت کے دن تمام لوگوں سے زیادہ عذاب میں مبتلا ہونگے۔

۴۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا اور اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے حبشہ میں ایک گرجا دیکھا جس میں تصویریں تھیں انہوں نے اس کا ذکر رسول اکرم ﷺ سے کیا آپ ﷺ نے فرمایا ان لوگوں کا یہ حال تھا کہ جب کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو اس کی قبر پر عبادت گاہ بناتے اور اس میں یہ تصویریں بنالیا کرتے تھے۔

﴿فاؤلئک شر الخلق عند اللہ یوم القیامۃ ﴾
(بخاری: کتاب الصلوٰۃ ، مسلم ، نسائی)

یہ لوگ قیامت کے دن اللہ کی دربار میں بدترین خلائق قرار پائیں گے۔

۵۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

﴿قال رسول اللہ ﷺ لا تدخل الملائکۃ بیتاً فیہ کلب ولا صورۃ ﴾۔(متفق علیہ)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس گھر میں (رحمت کے) فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

۶۔ ﴿عن جابر رضی اللہ عنہ قال نھیٰ رسول اللہ ﷺ عن الصورۃ فی البیت ونھیٰ أن یصنع ذالک ﴾ (ترمذی کتاب اللباس)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے گھر میں تصویر رکھنے سے منع فرمایا ہے اور اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص تصویر بنائے۔

بیشمار دلائل ہیں جو متعدد زاویوں سے دیئے جا سکتے ہیں لیکن طوالت کے خوف سے ہم انہیں پر اکتفاء کرتے ہیں کہ سورہ سباء کی آیت نمبر ۱۳ سے مجسمہ سازی یا مصوری کو قطعاً فروغ نہیں دیا گیا، لفظ تماثیل سے یہ مراد لینا بھی درست نہیں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں مجسمہ سازی اور مصوری کی اجازت تھی جسے بعد میں منع کر دیا گیا اگرچہ بعض مفسرین نے ایسا لکھا ہے پھر بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظمت کے پیشِ نظر ہم اسے تسلیم نہیں کرتے اور تسلیم کرنا بھی نہیں چاہئے ،اور اگر تصویر کی حرمت پر موجود اتنے سارے دلائل جان لینے کے بعد بھی کوئی مصر ہو کہ مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام

کی شریعت میں تصویر بنانے کی اجازت تھی تو پھر بھی یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ ان مفسرین نے یہ بھی تو لکھا ہے کہ اب شریعتِ محمدی میں اِسے حرام قرار دیا گیا ہے ان کی اس آخری بات کو تسلیم کرتے ہوئے مصوری اور مجسمہ سازی کی حرمت کا اعلان کیوں نہ کیا جائے؟

کیمرے کی تصویر کا حکم

بعض لوگ کیمرے کے ذریعہ کی گئی فوٹوگرافی اور ہاتھ کے ذریعہ بنائی گئی تصویر میں فرق کرتے ہیں حالانکہ شریعتِ مطہرہ نے تصویر بنانے کے آلات یا تصویر سازی کے کسی خاص طریقے کو حرام نہیں کیا بلکہ مطلق تصویر کو حرام قرار دیا ہے، جب تصویر شریعت کی نظر میں حرام ٹھہری تو ہر قسم کی تصویر حرام قرار پائے گی چاہے وہ کیمرے سے بنائی ہو یا برش وغیرہ سے ان کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۲۔ اگر نظرِ انصاف سے دیکھا جائے تو کیمرے سے بنائی گئی تصویر ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویر سے زیادہ واضح اور شفاف ہوتی ہے جب ہاتھ کی تصویر حرام ٹھہرے گی تو کیمرے کی تصویر جو اس سے زیادہ صاف اور واضح ہے وہ کیونکر حلال ہوگی؟

۳۔ کیمرے کی تصویر میں بھی ہاتھوں کا کافی عمل دخل ہے کیمرہ مین پہلے اس میں بیٹری یا سیل ڈالے گا پھر ریل (film) ڈالے گا جسکی تصویر بنانی مقصود ہے اس سے فاصلے کا تعین کرے گا، جتنے حصے کی تصویر مقصود ہوگی اس کیلئے زاویئے کا صحیح تعین کرے گا، پھر کیمرہ آن کرے گا، فلش مارتے ہوئے انگلی کی مدد سے کیمرہ کے سسٹم کو تصویر بنانے کا آرڈر کرے گا تب جا کر اسکی تصویر بنے گی۔

معلوم ہوا کہ کیمرہ بھی ہاتھوں سے بے نیاز نہیں ہے حتی کہ آٹومیٹک کیمرے بھی ہاتھ کے بغیر کام نہیں کرتے کیونکہ ان کی سیٹنگ بھی ہاتھوں سے کی جاتی ہے۔

کیا تصویر کی حرمت کی علت محض شرک و بت پرستی ہے؟

بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ اسلام میں تصویر کی حرمت کا حکم محض شرک و بت پرستی کو روکنے کیلئے تھا اور اب اس کا کوئی خطرہ نہیں ہے لہٰذا علت کے ختم ہوتے ہی حکم کو بھی ختم ہو جانا چاہئے لیکن یہ استدلال قطعی باطل اور بالکل بے بنیاد ہے۔

اولاً شارع ﷺ سے احادیثِ مبارکہ میں قطعاً یہ حکم نہیں ملتا کہ تصویر کو شرک و بت پرستی کے خطرے کے پیشِ نظر حرام کیا گیا ہے۔

ثانیاً اگر ہم اس مفروضے کو لمحے بھر کیلئے تسلیم کر لیں تب بھی معترضین کا مقصد حل نہیں ہوتا کیونکہ اب بھی شرک اور بت پرستی دنیا سے ختم نہیں ہوئی، آج بھی ہندو پاک میں کروڑوں بت پرست مشرکین موجود ہیں دنیا کے مختلف خطوں میں طرح طرح سے شرک ہو رہا ہے۔

عیسائی گرجا گھروں میں حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام اور حضرتِ مریم علیہا السلام کے مجسمے اور تصاویر کی پوجا کی جارہی ہے۔

حتی کہ عالم اسلام میں بھی کلمہ پڑھنے والوں کی بہت بڑی تعداد مخلوق پرستی کی لعنت میں گھری ہوئی ہے پھر یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اب بت پرستی کا رواج ختم ہو گیا ہے لہٰذا تصویر سازی کی حرمت کا حکم بھی ختم ہو جانا چاہئے۔

تیسری بات یہ ہے کہ تصویر کے ذریعے صرف شرک نہیں پھیلتا بلکہ موجودہ معاشرہ میں فحاشی، عریانی اور بے حیائی کا جو سیلاب آیا ہوا ہے اس کا اصل اور بڑا سبب عکسی تصاویر ہیں، جنہیں ٹیلیوژن، ڈش، سی ڈیز، لیڈ سسٹم اور انٹرنیٹ کے ذریعہ تقریباً ۹۰ فیصد گھروں کو منی سینماؤں میں تبدیل کر دیا گیا ہے جو لوگ اپنی شرافت اور نیک نامی کی بدولت سینما ہالوں میں جاتے ہوئے شرماتے تھے آج ان عکسی تصاویر نے ان کے گھروں سے نیک نامی اور شرافت کا جنازہ اٹھا دیا ہے۔

پھر بھی کہتے ہیں کہ ان تصاویر کی حرمت کا حکم اب باقی نہیں رہنا چاہئے؟ اس معاملہ میں لوگ سب سے بڑی غلطی یہ کرتے ہیں کہ پہلے از خود علتِ حکم تجویز کرتے ہیں پھر یوں گویا ہوتے ہیں کہ جب اس چیز میں یہ علت نہیں پائی جاتی تو یہ کیوں حرام ہے۔

حالانکہ تصاویر کے درمیان یہ حد بندی قطعی واضح اور روشن ہے کہ جانداروں کی تصویریں حرام اور بے جان اشیاء کی تصاویر حلال ہیں، اس خطِ امتیاز میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں ہے۔

جواب:-

محترم مفتی مطیع الرحمٰن صاحب نے اپنی کتاب ''ہدایت یا گمراہی'' میں تصویر سازی کی حرمت سے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے بندہ اس پورے مضمون سے سو فیصد اتفاق رکھتا ہے تاہم ہمیں اُمید ہے کہ محترمہ فرحت صاحبہ کا بھی یہی نظریہ ہوگا اور وہ بھی اس کی حرمت کی قائل ہونگی (الا بامر مجبوری) کیونکہ جہاں تک بندہ نے ان کی چند تحریریں پڑھی ہیں اُس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ حق کی طالبہ، حق کی متلاشی اور حق کی داعیہ ہیں اللہ انہیں نظرِ بد سے بچائے اور خدا کرے یہ اَوصافِ حمیدہ تا حیات برقرار رہیں۔

اس طرح معترضین کے اِعتراضات بھی خود بخود بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو قبولِ حق میں پس وپیش مؤمن کی شان کے خلاف ہوتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی وفات کے فوراً بعد سیفِ فاروقی بے نیام ہوئی اور مسجد نبوی ﷺ میں اعلان فرمایا کہ خبردار جس نے بھی کہا کہ حضور ﷺ فوت ہوگئے ہیں عمر رضی اللہ عنہ اس کی گردن اڑا دے گا،

ایسے میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حلم وتدبر کا پہاڑ بن کر منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور وفاتِ نبوی ﷺ کے ضمن میں قرآنی دلائل کی بارش کردی صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے دلائل سن کر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی بے نیام تلوار خود بخود داخلِ نیام ہوگئی گویا قبولِ حق میں ایک لمحے کی تاخیر بھی گوارا نہ کی۔

(رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ)

چہرے کا پردہ کیوں نہ ہو؟

''ہدایت یا گمراہی'' میں پیش کردہ وہ مسائل جو محترم جناب مفتی مطیع الرحمٰن صاحب نے محترمہ فرحت نسیم ہاشمی صاحبہ کی طرف ان کی تقاریر کے حوالے سے منسوب کئے ہیں جن میں سے بیشتر کے جوابات دیئے جا چکے ہیں اور جو باقی ہیں ان کے جوابات بھی اپنے اپنے محل پر دیئے جا رہے ہیں۔

بعض ایسے مسائل جن سے متعلق محترمہ فرحت صاحبہ کا نکتۂ نظر بندہ کے علم میں نہیں تھا اس لئے ان کا نکتۂ نظر معلوم کئے بغیر کچھ کہنا تقاضائے خیر خواہی کے خلاف تھا چنانچہ اس ضمن میں بندہ نے الہدیٰ سینٹر کلفٹن کراچی پر بذریعہ فون رابطہ کیا تو وہاں پر موجود ایک ذمہ دار خاتون نے بتایا کہ محترم ادریس زبیر صاحب (اپنی زوجہ) محترمہ ڈاکٹر صاحبہ کو بیرون ملک ایک تبلیغی مشن پر اپنے ہمراہ لے گئے ہیں اور وہ چند ماہ بعد واپس آئیں گے۔

بندہ نے اپنا مدعا انہیں کے آگے رکھ دیا تاکہ جواب میں ایک ممکنہ تاخیر سے بچا جا سکے چنانچہ انہوں نے بندہ کے استفسار پر بتایا کہ اگر محترمہ ڈاکٹر صاحبہ چہرے کے پردے کی قائل نہ ہوتیں تو وہ خود اپنا چہرہ کیوں ڈھانپتیں؟ وہ ہمیشہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالتی ہیں ان کے اس جواب سے مجھے بھی اندازہ ہوا کہ محترمہ ڈاکٹر صاحبہ نہ صرف چہرے کے پردے کی قائل ہیں بلکہ عامل بھی ہیں، محترم مفتی صاحب کو ممکن ہے ''التفسیر المنیر'' کی عبارت سے مغالطہ لگا ہو جس میں درج ہے:

﴿ وبناء علیه قال الحنفیة والمالکیة والشافعي

في قول له: إن الوجه والکفین لیسا بعورة ﴾

(التفسیر المنیر: ج ۱۷، ص ۲۱۷ :دار الفکر دمشق)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی مشہور روایت جس میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متعلق رسول اللہ ﷺ کا

فرمان ہے کہ جب عورت بالغ ہوجائے تو اس کے چہرے اور ہاتھ پاؤں کے سوا کچھ نظر نہیں آنا چاہئے۔اس حدیث پر بنا رکھتے ہوئے حنفیہ، مالکیہ، اور شوافع کا ایک قول یہی ہے کہ بیشک چہرہ اور دونوں کفیں مخفی رکھنے کی چیز نہیں ہیں۔

اس عبارت سے یہ سبق ملتا ہے کہ جذباتی ہوکر بلا تحقیق کسی کے خلاف کچھ کہنا، لکھنا اور سمجھنا مناسب نہیں ہے، اگر آدمی پہلے سے تحقیق اور احتیاط سے کام لے تو آنے والی بہت سی پشیمانیوں اور پریشانیوں سے بچ سکتا ہے، عقل کا بھی یہی تقاضا ہے کہ دور بیٹھ کر آگ کے شعلے بھڑکتے اور دھواں اٹھتے دیکھ کر خوش نہیں ہوجانا چاہئے ہوسکتا ہے بھڑکنے والے شعلے اور اٹھنے والا دھواں اپنے ہی گھر کو لگی آگ کا پتہ دیتے ہوں۔

ے اے چشمِ اشک بار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

محترم مفتی صاحب کو چاہئے کہ اب غصہ تھوک دیں کیونکہ چہرے کا پردہ نہ کرنے کا مسلک محترمہ ڈاکٹر صاحبہ کا نہیں بلکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسئلہ تھا مقلدین کیلئے سونے پر سہاگہ یہ کہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تائید کی ہے جیسا کہ التفسیر المنیر کی عبارت سے عیاں ہے۔

محترم مفتی مطیع الرحمٰن صاحب نے ڈاکٹر صاحبہ کی جس تقریر کا حوالہ دیا ہے اگر مفتی صاحب کا دیا ہوا یہ حوالہ مبنی بر صواب ہے تو ممکن ہے کہ یہ محترمہ فرحت صاحبہ کی کسی ابتدائی نشست کا حوالہ ہو، جس سے اب وہ رجوع کر چکی ہوں اور ان کے رجوع کے بعد ان مسائل کو پھر سے ان کی طرف منسوب کرنا نہ تو شرعی اعتبار سے درست ہے اور نہ اخلاقی طور پر۔

اسلام جیسا پاکیزہ مذہب جہاں گناہ سے بچنے کا درس دیتا ہے وہاں ان عوامل اور اسباب وعلل سے بھی قطعی اجتناب کرنے کی تلقین کرتا ہے جو گناہ کا باعث ہوں، مثلاً کسی دوشیزہ کی جسمانی ساخت میں سرتاپا اگر کوئی خوبصورت ترین حصہ ہے تو وہ چہرہ ہے جسے دیکھ کر اس کی جاذبیت، رعنائیت، لطافت اور دلکشی کا صحیح اندازہ ہوتا ہے، فریفتگی کے جذبات بھی تبھی بیدار ہوتے ہیں جب کسی کی نظر کے تیر کسی رخ زیبا کو چھو کر دل کے آر پار ہوجاتے ہیں۔

بقولِ شاعر:

ے یارب نگاہِ ناز پر لائسنس کیوں نہیں
یہ بھی تو قتل کرتی ہے تلوار کی طرح
ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشقِ دل گیر کو
کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو

چنانچہ نظر بازی کا وہ فتنہ جو گناہ کا باعث تھا، شارع علیہ السلام نے اسے بھی حرام قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿العينان تزنيان وزناهما النظر﴾

(بخاری: کتاب الاستئذان)

آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور آنکھ کا زنا اس کا دیکھنا ہے۔

کان بھی زنا کرتے ہیں اور کانوں کا زنا شہوانی باتوں کا سننا ہے، زبان بھی زنا کرتی ہے اور زبان کا زنا شہوانی باتوں کا کرنا ہے۔

اور ان تینوں چیزوں کا محل چہرہ ہے لہٰذا ان تینوں قسم کے گناہوں سے بچنے کیلئے چہرے کا چھپانا ضروری ہے۔

۲۔ عورت کے جسم پر روزمرہ کا لباس تو موجود ہوتا ہی ہے لیکن سینے کی ساخت اپنے مخصوص ابھار کے باعث مردوں کیلئے توجہ کا باعث بن سکتی تھی جو

انہیں کسی فتنے میں مبتلا کر کے کسی سنگین گناہ کا مرتکب بنا دیتی لہٰذا اسلام نے یہاں بھی احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا حکم صادر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وليضربن بخمرهن على جيوبهن﴾ (سورة النور: ۳۱)

خواتین کو چاہئے کہ وہ اپنے سینوں پر دوپٹے ڈال کر رکھیں حالانکہ سینوں پر پہلے سے قمیض وغیرہ موجود ہوتی ہے پھر بھی اسے دوہرے لباس سے مخفی کیا گیا۔

۳۔ عورت کے پاؤں کو بھی زمین پر نہایت احتیاط سے رکھنے کا حکم ہے کہ کہیں پازیب کی آواز کسی مریضِ عشق کے مرض میں اضافے کا باعث نہ بنے چنانچہ فرمایا:

﴿ولا يضربن با ارجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن﴾(سورة النور: ۳۱)

اور اپنے پاؤں (اس طرح زمین پر) نہ ماریں کہ (جھنکار کی آواز کانوں تک پہنچ جائے) اور ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے۔

اندازہ لگائیں جو اسلام عورت کے پاؤں کی آواز کو بھی بے پردہ ہونے کی اجازت نہیں دیتا تا کہ وہ مردوں کی توجہ کا باعث نہ بن سکے، وہ اسلام عورت کے چہرے کو بے پردہ رکھنے کی اجازت کیسے دے گا؟ جو مرد و زن کی مخلوط محفلوں میں مردوں کی توجہ کا اصل محور و مرکز ہوتا ہے۔

ان دونوں فتنوں میں یعنی پائل کی آواز سننے اور چہرے کا جمال دیکھنے میں کونسا فتنہ بڑا ہے؟ اور یہ بھی ہر باشعور انسان بخوبی جانتا ہے کہ جتنا بڑا فتنہ ہوگا اس سے بچنے کیلئے احتیاط بھی اسی قدر زیادہ ہوگی لہٰذا چہرے کو مستور اور مخفی رکھنے میں احتیاط زیادہ ہے۔

۴۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يا ايها النبى قل لازواجک و بنٰتک ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن﴾ (سورة الاحزاب:۵۹)

"اے نبی ﷺ اپنی ازواج مطہرات، اپنی بیٹیوں اور مؤمنین کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ باہر نکلتے وقت اپنے اوپر چادر ڈال لیا کریں"۔

ہر باشعور انسان بخوبی جان سکتا ہے کہ اس چادر سے کونسی چادر مراد ہے اس حکم کے بعد بھی کوئی شخص یہ کہنے کی جسارت کرے کہ اس سے مراد چہرے کے علاوہ جسم کا مخفی رکھنا مقصود ہے تو یہ یقیناً اسلام کے خلاف دیدہ و دانستہ بغاوت ہے اور یہ انتہائی سنگین سوچ ہے۔

اس آیت کے اولین مخاطب رحمتِ عالم ﷺ ہیں آپ ﷺ کو مخاطب کر کے یہ ہدایت کی گئی کہ اے نبی اپنی بیویوں، بیٹیوں اور عام مؤمنین کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ گھر سے باہر نکلتے وقت چادر اوڑھ کر نکلا کریں اگر اس سے چہرے کے علاوہ جسم کا چھپانا مقصود ہوتا تو اس پر تو پہلے سے عمل ہو رہا تھا، اس حکم سے قبل بھی خواتین لباس میں رہا کرتی تھیں، صرف چہرہ کھلا ہوتا تھا۔

نعوذ باللہ! کیا کسی مسلمان امتی کا ایمان یہ گوارا کرے گا کہ وہ امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے بارہ میں یہ نظریہ رکھے کہ وہ نعوذ باللہ چہرے کے علاوہ بھی جسم کھول کر باہر نکلا کرتی تھیں جسے چھپانے کا حکم دیا گیا، نعوذ باللہ پیغمبر زادیوں سے متعلق بھی یہی فکر رکھیں؟ تف ہے ایسے ذہنوں پر اور ایسی زبانوں پر جو پیغمبر ﷺ کے بے داغ دامن پر دھبّہ ڈالنے کی ناپاک کوشش کر رہے ہیں، چہرے کے علاوہ جسم کو تو ہمیشہ مخفی رکھا جاتا تھا صرف چہرہ کھلا رہتا تھا جسے جلباب کے حکم کے بعد مستور کر دیا گیا، پردے کی اصل غایت ہی چہرے کا چھپانا ہے باقی تمام اعضاء اس کے تابع ہیں۔

ے بے پردہ نظر آئیں جو کل چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو اُن سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

پردے سے متعلق ایک اُصولی بات

پردے سے متعلق یہ بات اصولی طور پر ذہن نشین رہنی چاہئے کہ جس عورت سے زندگی میں کبھی بھی نکاح ہوسکتا ہو اس سے پردہ ہے اور جس عورت سے کبھی نکاح نہیں ہوسکتا اس سے پردہ نہیں ہے۔

عورت مرد سے تعلیم حاصل کرسکتی ہے

اِعتراض ۲۲ :-

صاحبِ ''ہدایت یا گمراہی'' لکھتے ہیں کہ محترمہ کا نظریہ ہے کہ عورت اجنبی مرد سے بے پردہ تعلیم حاصل کرسکتی ہے۔ (ہدایت یا گمراہی: ص ۲۸)

جواب:-

یہ سراسر ڈاکٹر صاحبہ پر الزام ہے وہ مردوں سے تعلیم حاصل کرنے میں بے حجابی کی ہرگز قائل نہیں ہیں صاحبِ ''ہدایت یا گمراہی'' نے لفظ باپردہ کو بے پردہ کردیا ہے اور علماء کو اس طرح کی روش ہرگز زیبا نہیں ہے مگر مفتی صاحب کو تو یہ روش ان کے بڑوں سے ورثے میں ملی ہے اس لئے وہ بھی مجبور ہیں شیخ محمود الحسن صاحب دیوبندی نے اپنے مسلک اور اندھی تقلید کی لاج رکھتے ہوئے سورہ نساء پر تحریف کے نشتر چلائے چنانچہ سورہ نساء آیت نمبر ۵۹ میں تحریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿فان تنازعتم فی شی فردوہ إلی اللہ والرسول والیٰ اولی الامر منکم﴾ (ایضاح الادلہ: ص ۹۷)

یہ آیت مذکورہ الفاظ کے ساتھ پورے قرآن میں کہیں نہیں ہے لیکن اسلئے گھڑی گئی تاکہ جہلا میں یہ باور کرایا جاسکے کہ تنازعہ کی صورت میں اس متنازعہ مسئلہ کو اللہ کے قرآن پر پیش کرنا، رسول ﷺ کی حدیث پر پیش کرنا اور ہمارے امام کی فقہ پر پیش کرنا یکساں حیثیت رکھتا ہے۔

جن کے بڑے قرآن میں تحریف کرنے سے باز نہ آئے ان کے چھوٹوں کیلئے لفظ باپردہ کو بے پردہ کرنا کونسا مشکل کام ہے۔ حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ مردوں کو عید کا خطبہ سنانے کے بعد خواتین کے اجتماع میں تشریف لے جاتے اور انہیں وعظ و نصیحت فرماتے بلکہ بہت سے اصحاب رسول ﷺ صدیقۂ کائنات سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بے شمار خانگی مسائل دریافت کرتے اور آپ انہیں وہ مسائل بتاتی تھیں۔

گویا پردے کے تقاضے پورے کرتے ہوئے خواتین مردوں سے تعلیم حاصل کرسکتی ہیں اور مرد خواتین سے تعلیم حاصل کرسکتے ہیں لیکن شرط وہی ہے کہ اسلام نے حجاب کی جو پابندیاں اور ضابطے مقرر کئے ہیں انہیں نہ توڑا جائے اور محترمہ ڈاکٹر صاحبہ بے حجابی کی ہرگز قائل نہیں ہیں۔

محترمہ ڈاکٹر صاحبہ کا نظریہ یہی ہے کہ پردے میں رہتے ہوئے خواتین مرد اُستاد سے تعلیم حاصل کرسکتی ہیں اور اس خیال کے حامی مفتی مطیع الرحمٰن صاحب بھی ہیں چنانچہ اپنی کتاب ''ہدایت یا گمراہی ص ۷۸'' کے آخر پر ''نوٹ'' کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں ''ہاں اگر مکمل پردہ کے ساتھ دیوار یا کسی پردہ کی آڑ میں مرد عورتوں کو تعلیم دے کہ جس میں ایک دوسرے پر نظر پڑنے کا احتمال نہ ہو تو ایسی صورت میں مردوں سے تعلیم حاصل کرنا جائز ہے جیسا کہ آپ ﷺ عورتوں کو پردہ میں وعظ فرماتے تھے البتہ کسی آڑ اور پردہ کا اہتمام کئے بغیر یہ جائز نہیں''۔ (ہدایت یا گمراہی: ص ۷۸)

خواتین کا مرد ڈاکٹروں سے علاج کروانا

اِعتراض ۲۳:-

حضرت مفتی مطیع الرحمٰن صاحب محترمہ ڈاکٹر فرحت ہاشمی صاحبہ پر الزام تراشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کا نظریہ یہ ہے کہ عورت مرد ڈاکٹر کو مطلقاً اپنا جسم اور ستر وغیرہ دکھاسکتی ہے......اور کسی اجنبی ڈاکٹر سے بلاضرورت اپنا علاج وغیرہ کرواسکتی ہے۔ (ہدایت یا گمراہی: ۷۹)

جواب:-

اس اِعتراض کے جواب میں اگر صرف قرآنِ مجید کی یہ آیت **لعنة الله علی الکاذبین** (جھوٹوں پر خدا کی لعنت) لکھ دی جائے تو کافی ہے۔

تقلید کے اندھیروں میں بھٹکنے والے چند نام نہاد مفتی، ذاتی عناد اور بغض وعدوات سے لبریز چند طبائع اور انتقامی آگ پر پکنے والے چند احساسات وجذبات جب پھٹتے ہیں تو اُنکے بارودی شعلے کسی مسلم ماں، بہن اور بیٹی کے آنچل کو جلا کر خاکستر کر سکتے ہیں انہیں اس کی کوئی پرواہ ہے اور نہ ضرورت۔ الزام تراشی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے، یہ الفاظ ڈاکٹر فرحت صاحبہ کے نہیں ہیں بلکہ فقہ حنفی کے الفاظ ہیں:

﴿**والطبیب انما ینظر من العورة بقدر الحاجة**﴾

(هدایت یا گمراهی: ص ۸۰ بحواله الاشباه)

معالج ضرورت کے مطابق (مریض کے) مستور حصے دیکھ سکتا ہے۔

یہاں بھی لفظ **الطبیبه** نہیں ہے بلکہ **الطبیب** ہے۔

اپنے گناہ دوسروں کے سرتھونپتے ہوئے کچھ تو لحاظ چاہئے "الاشباہ" کی عبارت بھی مفتی صاحب نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے حذف کر دی ہے اس محذوف حصے کو ہم قارئین کی عدالت میں پیش کرنے کی جسارت کر رہے ہیں تا کہ واضح ہو سکے کہ شرم وحیا کا جنازہ محترمہ فرحت صاحبہ نے نہیں بلکہ ان نام نہاد مفتیوں نے نکالا ہے حالانکہ اس امر کے سبھی قائل ہیں کہ اگر کسی خاتون کے علاج کیلئے طبیبہ میسر نہ ہو تو طبیب سے علاج کرایا جاسکتا ہے، ظلم تو یہ ہے کہ دوسروں کی آنکھ کا تنکا دیکھنے والوں کو اپنی آنکھوں کے شہتیر بھی نظر نہیں آتے جس کی مثال ملاحظہ فرمائیں۔

فقہ حنفی کی معروف کتاب "الاشباہ والنظائر" میں درج ہے:

﴿**لو نظر المصلی إلی المصحف و قرأمنه فسدت صلوٰتهٗ لا إلی فرج امرأةٍ بشهوةٍ لان الاول تعلیم و تعلم فیها لاالثانی**﴾ (الاشباہ والنظائر ص ۲۲۴ (عربی) ایچ ایم سعید کراچی)

اگر نمازی (حالتِ نماز میں) قرآن کو دیکھ لے اور اُس میں سے کچھ پڑھ لے تو اُسکی نماز فاسد ہو جائے گی لیکن اگر شہوت کے ساتھ عورت کی شرمگاہ کو دیکھے تو نماز فاسد نہیں ہوگی چونکہ پہلی میں تعلیم اور تعلم ہے جبکہ دوسری میں نہیں ہے

ظلم تو یہ ہے کہ نماز نہ ٹوٹنے کا سرٹیفکیٹ دے کر گویا زائر کو یہ ترغیب دی گئی کہ نماز فاسد ہونے کے خوف سے مقامِ شریفہ سے نظرِ شریفہ ہٹانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، واہ رے زائر تیری قسمت !!!

؎
قائم رہی جنوں میں بھی اک وضع احتیاط
دل خون ہو گیا ہے مگر آنکھ نم نہیں

عورت کا بغیر محرم کے سفر کرنا

اِعتراض ۲۴:-

صاحبِ "ہدایت یا گمراہی" جناب مفتی صاحب فرماتے ہیں؛

''محترمہ کا نظریہ ہے کہ عورت بغیر محرم کے یا چند عورتیں مل کر بغیر محرم کے سفر کرسکتی ہیں اور اس کی با قاعدہ بڑے اہتمام سے ترغیب ہوتی ہے''۔

(ہدایت یا گمراہی: ص ۸۱)

جواب:-

اِعتراض کا آخری جملہ عالمانہ شان کے شایان نہیں ہے ایک معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا اور دین سے کم تر وابستگی کا حامل بھی اس چیز کی ترغیب نہیں دے سکتا چہ جائے کہ آپ محترمہ ڈاکٹر صاحبہ سے اس ترغیب کی توقع رکھیں جن کی تحریر اور تقریر دونوں حد درجہ محتاط ہوتی ہیں یہ سراسر الزام ہے البتہ وہ روزمرہ کے اس سفر کی قائل ہیں جس میں ہمارے ہاں لڑکے ہوں یا لڑکیاں اسلامی تقاضے پورے کرتے ہوئے تعلیم اور دیگر ضروریاتِ زندگی کے حصول کیلئے سفر کرتی ہیں اور اس کا جواب خود مفتی صاحب نے بھی اپنی تحریر میں دے دیا ہے چنانچہ پہلی روایت جو بخاری شریف کے حوالے سے مروی ہے۔

۱۔ ﴿عن إبن عباسٍ رضی الله عنهما قال قال رسولُ الله ﷺ

لا تسافر المرأة إلامع ذی محرم﴾ (بخاری: ج ۱ ص ۲۵۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا! عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔

یہ روایت مختصر ہے جس میں مسافت کی تعیین نہیں کی گئی جبکہ دوسری روایت بخاری اور مسلم دونوں میں مروی ہے وہ مفصل ہے۔

۲۔ **﴿عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال لايحل لإ مرأة تومن بالله واليوم الآخر أن تسافر مسيرة يوم وليلة وليس معها ذو محرم﴾** (بخاری: ج ۱ ص ۱۴۸، مسلم: ج ۱ ص ۴۳۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں فرمایا جو عورت اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کیلئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ ایک دن اور ایک رات کا بغیر محرم کے سفر کرے۔

اس حدیث میں بغیر محرم کے جس سفر سے روکا گیا ہے اس کی مسافت ایک دن اور ایک رات (24 Hours) بتلائی گئی ہے، اس سے کم ممانعت کے حکم سے ساقط ہے جس کی دلیل یہی حدیث ہے گویا اپنے ہی شہر میں چند گھنٹوں کیلئے تعلیمی سفر طالبات گروپ کی شکل میں کر لیتی ہیں اس حدیث کی روشنی میں انہیں اس کی رخصت ہے۔

زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں جامعہ بنوریہ شعبۃ البنات کی طالبات بھی جامعہ کی مخصوص گاڑیوں میں، پرائیوٹ کنوینس اور پبلک ٹرانسپورٹ میں بغیر محرم کے حصولِ علم کیلئے روزانہ سفر کرتی ہیں اور یہ بات یقیناً مفتیانِ جامعہ کے علم میں ہوگی اور ان کی خاموشی ہمارے موقف کیلئے خاموش تائید ہے۔

ے جب زبانیں کاٹنے کا وقت آیا اۓ سعیدؔ
بولتی تحریر کا رکھنا پڑا عنوان چپ

﴿فما کان جوابکم فهو جوابنا﴾

مزید جواز بخاری شریف میں موجود رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

کہ اے عدی! اگر تو زندہ رہا تو دیکھے گا۔

﴿ترتحل من الحيرة حتى تطوف بالكعبة لا تخاف أحدا إلا الله﴾

ایک اکیلی عورت اُونٹ کے کجاوے میں بیٹھ کر حیرہ سے سفر کرے گی اور مکہ پہنچ کر کعبہ کا طواف کرے گی اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔

(بخاری: کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام: ج ١ ص ٥٠٨ م نورمحمد کراچی)

عورتوں کی امامت کا مسئلہ

اِعتراض ٢٥:-

محترمہ کا نظریہ ہے کہ عورت امامت کرا سکتی ہے حالانکہ عورت کی امامت خواہ فرض نماز کیلئے ہو یا نفل کیلئے کراہت سے خالی نہیں ہے۔

(ہدایت یا گمراہی: ص ٨٩)

جواب:-

اگر کوئی عورت دیگر عورتوں کی امامت کرائے تو جائز ہے۔

چنانچہ حضرت اُمّ ورقہ بنتِ نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ اکثر اوقات ہمارے ہاں تشریف لاتے اور آپ ﷺ نے ہمارے لئے ایک مؤذن بھی مقرر فرمایا جو اذان دیا کرتا تھا لیکن نماز کی امامت اُمّ ورقہ بنت نوفل خود کیا کرتی تھیں۔

(أبو داوٗد ج ١ ص ٩٤ باب امامة النساء)

البتہ حضرت اِبنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عورت امامت کراتے وقت صف کے درمیان کھڑی ہو، یعنی مردوں کی طرح امام بن کر صف سے آگے بڑھ کر کھڑی نہ ہو۔ (مصنف عبدالرزاق، دارقطنی: ج ١ ص ٥٣٥)

البتہ کوئی عورت مردوں کی امام نہیں بن سکتی۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اِبنِ ماجہ میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے عورتوں کو مردوں کی امامت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

ہاں اگر مرد خواتین کی امامت کرانا چاہے تو جائز ہے، چاہے امام کے پیچھے کچھ مرد اور کچھ خواتین ہوں جیسے عہدِ نبوی میں مسجد نبوی میں خواتین جماعت میں شریک ہوا کرتی تھیں یا ساری کی ساری خواتین مقتدی ہوں تو بھی جائز ہے۔

چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں، ''یا رسول اللہ ﷺ آج رات میں نے ایک (عجیب) کام کیا ہے'' آپ ﷺ نے فرمایا وہ کیا؟

عرض کی گئی چند خواتین گھر میں جمع ہو گئیں اور کہنے لگیں کہ تم قرآن پڑھتے ہو اور ہم نہیں پڑھتیں (ہم حافظہ نہیں ہیں) لہٰذا آج تم ہماری جماعت کراؤ۔

چنانچہ میں نے انہیں آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھا دیئے، اس پر آپ ﷺ خاموش رہے (اور آپ ﷺ کی خاموشی بھی رضامندی پر محمول ہوتی ہے)۔

(طبرانی)

مفتی مطیع الرحمٰن صاحب نے ''ہدایت یا گمراہی: ص ۹۰'' پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جو روایت نقل کی ہے:

﴿لا خير في جماعة النساء﴾

کہ عورتوں کی جماعت میں کوئی خیر نہیں ہے۔

یہ مرفوع روایت نہیں ہے اور نہ ہی صحیح سند سے ثابت ہے۔

دوسری روایت: ﴿لا يؤم المرأة﴾ : کہ عورت امامت نہ کرے۔

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

ایک صحیح اور مرفوع حدیث کے مقابلے میں موقوف روایت قطعاً کوئی حیثیت نہیں رکھتی گزشتہ صفحات میں ''ابوداؤد ج ا ص ۹۴ باب امامۃ النساء'' کے حوالہ سے اُمّ ورقہ بنتِ نوفل سے مروی روایت گزر چکی ہے جس میں یہ صراحت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے خواتین کی جماعت کیلئے اُنہیں ایک مؤذن مقرر فرما دیا تھا لیکن نماز کی امامت اُمّ ورقہ بنت نوفل خود کیا کرتی تھیں۔

اس لئے شارع علیہ السلام نے خواتین کو جو حق دیا ہے اُن سے اُن کا یہ حق دنیا کی کوئی طاقت نہیں چھین سکتی۔

مندرجہ بالا شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ محترمہ ڈاکٹر فرحت صاحبہ کا خواتین کی امامت سے متعلق نظریہ درست ہے، البتہ صلوٰۃ التسبیح کی جماعت سے ہمیں اختلاف ہے، چاہے اس جماعت کی امامت مرد کرے یا عورت ہر طرح سے غیر ثابت ہے۔

ثانیاً:- اسکی سند میں موجود موسیٰ بن عبدالعزیز کا حفظ درست نہیں تھا اور جرح تعدیل کے امام، امام ذہبی رحمہ اللہ اسے قابل احتجاج نہیں سمجھتے۔

(میزان الاعتدال ج ۴ ص ۲۱۲)

مزید تفصیل کیلئے ہماری کتاب ''صلوٰۃ النبی ﷺ کے حسین مناظر'' سے صلوٰۃ التسبیح کے عنوان کے تحت کی گئی بحث کا مطالعہ اِن شاءاللہ مفید ثابت ہوگا۔

اِجماعِ اُمّت

اِعتراض ۲٦:-

محترمہ کے نزدیک اجماعِ اُمّت کی اہمیت نہیں اسی وجہ سے بہت سے ایسے مسائل کا دعویٰ کرتی ہیں جو سراسر اجماعِ اُمّت کے خلاف ہیں۔

(ہدایت یا گمراہی: ص ۹۲)

جواب:-

''ہدایت یا گمراہی'' سے مؤلف کا جو طریقۂ واردات معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ موصوف پہلے ایک بات خود فرض کر لیتے ہیں پھر خود ہی اُس پر اعترض قائم کرتے ہیں پھر خود ہی اس کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔

محترمہ ڈاکٹر صاحبہ نے یہ بات کہاں لکھی اور کہی ہے کہ میرے نزدیک اجماع اُمّت کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور میرا قول ہر قسم کے اجماع کو توڑنے کیلئے کافی ہے۔

اجماع کے کوئی بھی خلاف نہیں سبھی اس کی حیثیت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اجماع ہو تب نا کیا فقہ حنفی کی مخالفت اجماع اُمّت کی مخالفت ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر مالکی، شافعی اور حنبلی سبھی اجماع کے خلاف کہلائیں گے کیونکہ یہ بھی فقہ حنفی کے مخالف ہیں البتہ ایسے ہر اجماع کی مخالفت ہر مسلمان کو کرنی چاہئے جو

کتاب وسنت کی صریح نصوص کے خلاف ہو کیونکہ قرآن وحدیث کی مخالفت میں کسی بات کو تسلیم نہ کرنا عین تقاضائے ایمان ہے۔

۲۔ ﴿وقد ذکر محمد بن جریر الطبری انه وجد للشافعی

اربع مائة مسئلة خالف فیها الاجماع﴾ (الاحکام :ص ۵۴۳ ج ۱)

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ مجھے امام شافعی رحمہ اللہ کے چار سو مسائل ایسے ملے ہیں جس میں انہوں نے اجماع کے خلاف کیا ہے۔

اب کیا امام شافعی رحمہ اللہ کے بارہ میں مفتی مطیع الرحمٰن صاحب کے اس فتوے کا صدور ہوگا جو انہوں نے دیگر مخالفین کیلئے دیا ہے۔

خدا کیلئے ضد اور عناد سے اجتناب کیجئے کیونکہ ضد لا علاج مرض ہے البتہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل کر دے تو اس کے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے اس کیلئے ہم محترم مفتی صاحب کی خدمت میں اتنا عرض کریں گے کہ علی الصبح نہار منہ سات مرتبہ **لا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم** کا ورد کرلیا کریں ان شاء اللہ اس مرض سے شفاءِ عاجلہ نصیب ہوگی۔

روایت بیان کرنا صحابہ پر تنقید نہیں

اِعتراض ۲۷:-

صاحبِ ''ہدایت یا گمراہی'' فرماتے ہیں:

موصوفہ نے اپنے درسِ قرآن کے دوران بعض مقامات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی مقدس ہستیوں کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ (ہدایت یا گمراہی: ص ۹۵)

جواب:-

محترم مفتی صاحب نے اپنے دعوے کے ثبوت میں محترمہ ڈاکٹر صاحبہ کی تقریر سے ایک اقتباس بطور مثال کے پیش کیا ہے لکھتے ہیں کہ پردہ کے بارے میں بیان کرتے ہوئے موصوفہ کہتی ہیں کہ آج کل کے مرد عورتوں کو بہت زیادہ گھورتے ہیں اور ٹکٹکی باندھ کر عورتوں کو گھورتے رہتے ہیں اس کا صحیح مشاہدہ سگنل پر ہوتا ہے کہ سگنل پر گاڑی رکتی ہے تو بس میں بیٹھے ہوئے مرد عورتوں کو گھورتے ہیں یعنی اس میں مردوں کے اس فعل کو کافی برا بیان کیا گیا ہے پھر آگے چل کر بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت فضل رضی اللہ عنہ سواری پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے کسی عورت کی طرف دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرے کو وہاں سے موڑ دیا۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد موصوفہ ''حضرت فضل رضی اللہ عنہ سے متعلق کہتی ہیں'' وہی سگنل والا دیکھنا گویا حضرت فضل رضی اللہ عنہ اُس عورت کو ایسے دیکھ رہے تھے جیسے آج کل کے بے حیا مرد عورتوں کو گھورتے ہیں۔ **نعوذ باللہ من ذالک**

(ہدایت یا گمراہی: ص ۹۵)

محترمہ ڈاکٹر صاحبہ کی عبارت پڑھنے کے بعد محترم مفتی صاحب کا تبصرہ جو ہم نے دو بریکٹوں میں دیا ہے اسے پڑھئے جس قدر مبالغہ آرائی ہے وہ تمام کی تمام تبصرے میں ہے۔

مفتی صاحب کا تبصرہ پڑھنے کے بعد میں حیران ہوں کہ اس کا جواب لکھوں تو کیا لکھوں؟ آخر انہوں نے اپنے دعوے پر کونسے دلائل دیئے ہیں جن کا رَد کروں جب سارے معاملے کی بنیاد ہی بدظنی، کذب وافتراء اور غلط بیانی پر ہو تو اس کا جواب **لعنة اللہ علی الکاذبین** ہی کافی ہے۔

ڈاکٹر صاحبہ سمیت کوئی مسلمان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کا تصور بھی نہیں کر سکتا، اور نہ ڈاکٹر صاحبہ کی کسی بات سے اس کا تأثر ملتا ہے۔

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو آج کل کے بے حیا مردوں سے تشبیہ محترمہ ڈاکٹر فرحت صاحبہ نے نہیں دی بلکہ مفتی مطیع الرحمٰن صاحب نے لفظ گویا

کہہ کرڈاکٹر صاحبہ کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانے کی ناکام کوشش کی ہے، روایت بیان کرنا صحابہ پر تنقید نہیں ہے، ظاہر ہے ایک مسلمان مبلغ جب بھی عوام الناس کی اصلاح کا کام کرے گا اور معاشرے سے برائیوں کے خاتمے کی کوشش کرے گا تو اس کے لئے کتاب وسنت سے استنباط کیونکر ممکن ہے؟ لازماً وہ آج سے چودہ سو سال پیچھے جائے گا اور وہاں کے حالات واقعات سے استنباط کرے گا۔

گناہ تو گناہ ہی ہوتا ہے چاہے اسے کوئی عام آدمی کرے یا کائنات کی کوئی برگزیدہ ہستی، ایسی تفریق تو شریعت نے قطعاً نہیں کی کہ اگر عام آدمی گناہ کرے تو وہ گناہ ہے اسے سزا دی جائے اور اگر کوئی نیک آدمی اسی فعل کا مرتکب ہو تو وہ نیکی ہے اسے پھولوں کا ہار پہنایا جائے۔

چنانچہ رسول اکرم ﷺ کے دور میں جس اونچے گھرانے کی خاتون نے چوری کی تھی اور آپ ﷺ کی خدمت میں اُسکی سفارش کی گئی تو آپ ﷺ جو عدل وانصاف کے پیکر تھے غصے سے کھڑے ہوگئے فرمایا کہ تم سے پہلی قومیں بھی اسی لئے تباہ وبرباد ہوئیں کہ جب کوئی غریب جرم کرتا تو اُسے سزا دی جاتی اور جب کوئی بڑا گناہ کرتا تو اسے معاف کردیا جاتا۔

آپ ﷺ نے اسلامی مزاج کو اس معاشرے میں مزید واضح کرتے ہوئے فرمایا!

لو أن فاطمة بنت   اگر محمد ﷺ کی لختِ جگر فاطمہ بھی

محمد سرقت   چوری کرتی تو میں اُس کا بھی

لقطعت یدها   ہاتھ کاٹ دیتا۔

(بخاری:احادیث الانبیاء٥٤/٣٤٧٥:مسلم:الحدود: باب قطع السارق ١٦٨٨)

گویا آپ ﷺ نے چھوٹے اور بڑے میں تفریق کو ختم کردیا جو گناہ دوسرے کی بیٹی کیلئے جرم ہے رحمت عالم ﷺ نے اُس گناہ کو اپنی بیٹی کیلئے بھی جرم قرار دیا اب اگر عصرِ حاضر کے مفتی جناب مطیع الرحمٰن صاحب رسول اکرم ﷺ کی اس تمثیل سے یہ نتیجہ نکالنے لگ جائیں کہ نعوذ باللہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو ایک چور عورت سے تشبیہ دی گئی ہے تو کیا مفتی صاحب کے اس نتیجے کو اس لئے تسلیم کرلیا جائے گا کہ انہوں نے وہ چودہ پندرہ علوم پڑھے ہوئے ہیں جو ایک مفسر کیلئے ضروری ہوتے ہیں ہرگز نہیں!

رسول اکرم ﷺ کی تمثیل حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو دوسری عورت کی مانند قرار دینے کیلئے نہیں تھی بلکہ ایک گناہ کو دوسرے گناہ کی مانند قرار دینے کیلئے تھی۔

۲۔ محترمہ ڈاکٹر صاحبہ کی بیان کردہ روایت صحیح بخاری کی روایت ہے چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع میں ان کے بھائی فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھے ہوئے تھے اسی دوران خثعم قبیلے کی عورت آئی تو فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اُس کی طرف اور وہ (عورت) فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھنے لگی (نظریں چار ہوگئیں) تو رسول اکرم ﷺ نے فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کا چہرہ دوسری جانب پھیر دیا۔

(صحیح بخاری کتاب الحج باب وجوب الحج وفضله رقم الحدیث ١٥١٣)

(نسائی کتاب مناسك الحج رقم الحدیث ٢٦٤٢)

بات سمجھانے کے لیے چند سوالات

۱۔ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کا خثعم قبیلے کی عورت کی طرف دیکھنا ثواب کا کام تھا یا گناہ کا؟

۲۔ اگر یہ نیکی اور ثواب کا کام تھا تو کیا رسول اکرم ﷺ سے اس بات کی توقع ہے کہ آپ ﷺ اپنے اصحاب کو ایک نیکی اور ثواب کے کام سے روکیں گے؟

۳۔ رسول اکرم ﷺ کا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کے چہرے کو دوسری جانب پھیر دینا کیا ان کے اس فعل کے گناہ ہونے کی دلیل نہیں؟

۴۔ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بشر تھے؟

۵۔ اگر صحابہ کرام بشر تھے اور یقیناً تھے تو کیا بشری تقاضے سے ان کی ذات سے کسی خطا کا سرزد ہونا ممکن نہیں؟

۶۔ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ پر اللہ کے رسول ﷺ نے زنا کی حد جاری کیوں کی؟ جبکہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ صحابی رسول تھے۔

۷۔ جو خاتون اپنے بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا دے کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آئی کہ اَب یہ کھانے کے قابل ہو گیا ہے مجھے پاک کیجئے! کیا وہ صحابیہ تھیں؟ یقیناً تھیں تو پھر آپ ﷺ نے صحابیہ پر زنا کی حد کیوں جاری کی؟

۸۔ اگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے کسی قسم کے گناہ کا صدور ہی ممکن نہیں تھا پھر چوری اور زنا کی حدود کا صحابہ وصحابیات پر نفاذ کیا معنی رکھتا ہے؟

۹۔ اگر صحابہ وصحابیات معصوم عن الخطاء تھے تو رسول اکرم ﷺ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ کیوں فرمایا!

﴿یا عائشة إنّک کنت من بنات آدم إن کنت ألممتِ

بذنب فاستغفری من اللہ﴾ (بخاری: کتاب التفسیر، کتاب المغازی)

اے عائشہ تو بھی آدم زادی ہے اگر تجھ سے گناہ سرزد ہوا ہے تو اللہ سے بخشش مانگ۔ (یہ گفتگو رسول اکرم ﷺ نے واقعہ اِفک یعنی منافقین کی افواہوں کے بعد کی)۔

ان گزارشات کی روشنی میں محترمہ ڈاکٹر فرحت صاحبہ کی بیان کردہ سگنل والی بات کو سامنے رکھئے اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے متعلق روایت کو بھی سامنے رکھئے اور پھر پوچھے کہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کا خثعم قبیلے کی عورت کو دیکھنا گناہ تھا؟ اور آج کل کے مردوں کا آج کی خواتین کو دیکھنا گناہ ہے؟

اگر مفتی صاحب واقعی چودہ پندرہ علوم پڑھے ہوئے ہیں تو یقیناً یہی جواب دیں گے، جس طرح اُس دور کے مردوں کا اُس دور کی عورتوں کو دیکھنا حرام تھا بعینہٖ اس دور کے مردوں کا اِس دور کی عورتوں کی طرف دیکھنا حرام ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان جسے مفتی صاحب نے بھی اپنی کتاب ہدایت یا گمراہی میں لکھا ہے۔

﴿العینان تزنیان وزناھما النظر﴾

آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا (نامحرم کو) دیکھنا ہے۔

مفتی صاحب سے پوچھیں کہ اس فرمان کے اَوّلین مخاطب کون لوگ تھے؟ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کا چہرہ بھی آپ ﷺ نے اپنے اسی فرمان کی روشنی میں پھیر دیا تھا تاکہ وہ آنکھ کی اس برائی سے بچ سکیں۔

منفی سوچ رکھنے اور بدگمانی پھیلانے کے بجائے مثبت سوچ رکھتے ہوئے یوں بھی تو کہا جاسکتا تھا کہ محترمہ فرحت صاحبہ کا سیدھا سادھا مفہوم یہی ہے کہ جس طرح رسول اکرم ﷺ نے فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کا چہرہ موڑ کر اسے آنکھ کے گناہ سے باز رکھا، اِس پرفتن دور میں شریف النفس اور شریف الطبع لوگوں کا فرض بنتا ہے کہ سنت نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہو کر اُن مردوں کے چہروں کو گھما دیا کریں جو کسی دوشیزہ کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہے ہوں، چاہے یہ حادثہ کسی سگنل پر

پیش آئے یا کسی پارک میں۔

بہر کیف گناہ تو گناہ ہی ہے چاہے اسے چودہ سو سال پہلے کیا جائے یا چودہ سو سال بعد۔

قصور کس کا ہے اپنے ضمیر سے پوچھو
خدا کے واسطے تقدیر کا گلہ نہ کرو

چور مچائے شور

(گستاخِ صحابہ کون؟)

بعض دفعہ چور چوری کرنے کے بعد اس لئے شور مچاتا ہے تا کہ لوگوں کی توجہ اصل چور سے ہٹ جائے۔

مفتی مطیع الرحمٰن صاحب بھی اسی فارمولے پر عمل پیرا ہیں، محترمہ ڈاکٹر فرحت صاحبہ جو صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کا سوچ بھی نہیں سکتیں اُن پر بلاوجہ گستاخِ صحابہ ہونے کا الزام اِس لئے دھرا گیا تا کہ اِس جرم کے اصل مجرموں سے عوام الناس کی توجہ ہٹائی جا سکے اور مفتی صاحب نے یہ ترکیب صرف اس لئے اختیار کی کیونکہ اس جرم کے پس منظر میں جو لوگ تھے وہ مفتی صاحب کے اپنے ہی گھرانے کے لوگ تھے۔

رسولِ اکرم ﷺ کے جلیل القدر صحابی جنہوں نے رسول اکرم ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں اپنا خالی دامن پھیلایا آپ ﷺ نے اس میں تین لپیں بھر کر ڈال دیں فرمایا کہ اب اسے سمیٹ کر سینے سے لگا لو، اسکے بعد فرماتے ہیں کہ اللہ نے مجھے وہ قوت حافظہ عطا کی کہ رسول اکرم ﷺ کی زبانِ اقدس سے سنے ہوئے الفاظ پھر کبھی دماغی ڈِسک سے نکل نہیں سکے۔

اس خادمِ رسول ﷺ وتلمیذِ رسول ﷺ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مفتی مطیع الرحمٰن صاحب کے ہم مسلک زبان درازی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ غیر فقیہ تھے۔

(الاصول الشاشی: ص۷۵ لاهور، حسامی: ص۱۴۸، اصح المطابع کراچی، اصول بزدوی : ص۱۵۹، نور محمد کراچی ،نورا لانوار :ص۱۷۹ مع قمر الاقمار ،میر محمد کراچی)

فقیہ اسے کہتے ہیں جو دین کا فہم رکھتا ہو گویا احناف کی نظر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دین کی سوجھ بوجھ نہیں تھی۔(العیاذ باللہ)

ا۔ حالانکہ رحمتِ عالم ﷺ کا فرمان ہے:

﴿من یرد الله به خیراً یفقهه فی الدین﴾

جس بندے کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے
اُسے دین کا فہم عطا کر دیتا ہے۔

مفتی صاحب اینڈ کمپنی یہ باور کرانا چاہتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کے ساتھ اللہ نے خیر کا ارادہ ہی نہیں کیا۔(استغفر اللہ)

جبکہ قرآن مجید انہیں اللہ کی رضا کا سرٹیفکیٹ دیتے ہوئے ان کے مبارک سروں پر دستارِ فضیلت کے طور پر ایک ایسا تاج پہناتا ہے جس میں:

﴿رضی الله عنهم ورضوا عنه﴾

(اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی)

جیسی عظیم الشان عبارت کنداں ہے۔

۲۔ ہادی برحق ﷺ کا فرمان ہے کہ جس نے میری ۴۰ حدیثیں یاد کرلیں اسے قیامت کے دن اللہ سبحانہ وتعالیٰ فقہاء کے ساتھ اٹھائے گا۔یعنی جس شخص نے رسول اکرم ﷺ کی ۴۰ حدیثیں زبانی یاد کرلیں آپ ﷺ اُسے فقہاء کی صف میں شامل فرمارہے ہیں لیکن تعجب ہے،ان نام نہاد مفتیوں کی تقلیدی فکر ونظر پر کہ جس صحابی نے رسول اکرم ﷺ کی ہزاروں حدیثیں نہ صرف اپنے سینے میں محفوظ کیں بلکہ ان یاد کردہ سنن کو مشعل راہ بنا کر زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھایا اُسے آج غیر فقیہ یعنی دین کی سوج بوجھ نہ رکھنے والا دین کے فہم سے محروم کہا جائے،کاش صحابیِ رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے سے پہلے تم گونگے ہو جاتے۔

۳۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ جن کی تربیت ان کے بچپن سے آپ ﷺ نے کی ان پر بھی اندھی تقلید کے دودھاری نشتر چلاتے ہوئے انھیں غیر فقیہ کہا۔

(اصول بزدوی: ص۱۵۹)

۴۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کو اپنی آنکھوں سے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا،آپ ﷺ کی نماز کو رفع الیدین سے مزین دیکھا تو اُسے بیان کیا حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کا رفع الیدین کی روایت بیان کرنا مقلدین کو اس قدر نا گوار گزرا کہ اپنا زہر آلود خنجر حضرت وائل رضی اللہ عنہ پر چلاتے ہوئے یوں گویا ہوئے۔ ﴿اعرابی لا یعرف شرائع الاسلام﴾

نعوذ باللہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ ایک بدو اور دیہاتی گنوار تھے جو شرائع اسلام سے واقف نہ تھے۔ (جامع المسانید: ص۲۵۸ ج۱)

امام شافعی رحمہ اللہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسی مقدس ہستیاں بھی مقلدین کے خودساختہ اصولوں اور ناپاک زبانوں سے محفوظ نہ رہ سکیں،اللہ کے ان پاکباز بندوں کو جاہل کہنا گوارا کیا۔(العیاذ باللہ) (نور الانوار:ص ۳۰۰ میر محمد کراچی)

اب مفتی صاحب بتائیں کہ صحابہ کرام کا گستاخ کون ہے؟

نورالانوار،حسامی،بزدوی اور اصول شاشی کن کے اصول کی کتب ہیں؟

الہدیٰ انٹرنیشنل کے سینٹروں میں یہ کتب نہیں پڑھائی جاتیں اور شاید اسی لئے ان سینٹروں میں پڑھنے والے اور پڑھانے والے کبھی کسی صحابی کی شان میں گستاخی کا تصور بھی نہیں کرسکتے بلکہ یہاں تو،

﴿آمِنوا کما آمنَ الناس﴾ (سورة البقرہ:۱۳)

ایسے ایمان لاؤ جیسے یہ لوگ (صحابہ) ایمان لائے ہیں۔

کی دلفریب اور ایمان افروز دعوت دی جاتی ہے۔

جناب مفتی مطیع الرحمٰن صاحب الہدیٰ سینٹرز کو اطاعتِ الٰہی، اتباعِ رسول ﷺ اور حبّ صحابہ رضی اللہ عنہم جیسی دولت کے بل بوتے پر پنپنے دیجئے۔حدیث دشمنی اور بغضِ صحابہ آپکو مبارک ہو۔

گمراہی کا سبب تقلید ہے نہ کہ ترکِ تقلید

اِعتراض۲۸:-

صاحبِ ''ہدایت یا گمراہی'' ----- ''تقلید شرک ہے''

کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ محترمہ ڈاکٹر صاحبہ اپنے بیانات اور تحریرات میں کسی ایک امام کی رائے کی پابندی سے منع کرتی ہیں پھر خود ہی اعتراض قائم کرتے ہیں کہ جو امام شافعی رحمہ اللہ کی پیروی کرے گا وہ مینڈک کو حلال سمجھے گا جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی پیروی کرے گا وہ مینڈک کو حرام سمجھے گا۔(علی ھذا القیاس)

۲۔ آخر میں محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں جو لوگ......تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ بالآخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں بعض

عیسائی ہوجاتے ہیں بعض لامذہب... الخ۔(ہدایت یا گمراہی: ص ۹۷ تا ۱۰۱)

جواب:-

کسی شخص معیّن کے اقوال کی پیروی کرنا اُس سے دلیل طلب کئے بغیر یہی سب سے بڑی گمراہی ہے کیونکہ اللہ نے سوائے محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کے کسی اور شخص کے قول وفعل کی ضمانت نہیں دی ہے۔

مفتی صاحب کا اعتراض ڈاکٹر صاحب پر نہیں ہے بلکہ کتاب وسنت پر اعتراض ہے ڈاکٹر صاحب نے تو صرف یاد دہانی کرائی ہے نظریہ تو کتاب وسنت کا ہے جس کی تفصیل ہم اسی کتاب کے صفحہ ۸۱ پر تحریر کر چکے ہیں۔

۲۔ مسالک کے اختلاف پر مفتی صاحب نے مینڈک اور وضو وغیرہ کی مثالیں دی ہیں جو صریحاً مفتی صاحب کے موقف کے خلاف ہیں ایک ہی ٹیبل پر حنفی مقلد اور شافعی مقلد بیٹھے ہوں اور مینڈک پکا کر سامنے پلیٹ میں رکھ دیا جائے تو حنفی مقلد بوجہ کراہت ماتھے پر تیوریاں چڑھائے گا جبکہ شافعی مقلد کے منہ میں بوجہ رغبت پانی بھر آئے گا اب مفتی مطیع الرحمٰن تو فرمائیں گے چونکہ چاروں مذاہب (حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) برحق ہیں اس لئے یہ حلال بھی ہے اور حرام بھی۔

ع:- راضی رہے رحمٰن اور شیطان بھی ناراض نہ ہو،

کے مصداق بن کر کڑھ بھی رہے ہیں اور بوجہ اندھی تقلید کے حرام کھانے کی اجازت بھی مرحمت فرمارہے ہیں۔ اگر اسلام شافعی ہے تو حنفی مقلد حلال کو حرام کہنے کا مرتکب ہورہا ہے اور اگر اسلام حنفی ہے تو شافعی مقلد حرام کھانے کا مرتکب ہورہا ہے نتیجتاً دونوں حرام کے مرتکب ہوئے۔

اور سچ یہ ہے کہ اسلام نہ تو حنفی ہے، نہ شافعی، نہ مالکی، نہ حنبلی، نہ فریدی ہے، نہ چشتی، نہ سہروردی ہے، نہ قادری، نہ جعفری، اور نہ وہابی، نہ بریلوی ہے، اور نہ دیوبندی۔

اسلام تو فقط اللہ کی اطاعت اور محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا نام ہے یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر ایک مسلم کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿من صلی صلوٰتنا و استقبل قبلتنا فاکل ذبیحتنا فذالک المسلم﴾ (بخاری: ج ۱ ص ۵٦)

جس نے ہماری طرح نماز پڑھی (نماز کا وہ طریقہ اختیار کیا جو میرا ہے) اور ہمارے قبلہ کو اپنا قبلہ بنایا اور ہمارے ذبیحے کو کھایا۔ (ایسے جانور کو کھایا جو جانور میرے بتلائے ہوئے طریقے پر ذبح کیا گیا تھا) پس وہ مسلمان ہے۔

گویا تینوں چیزوں میں اسلام کی سلامتی کا راز جسے یہاں اولین اور مرکزی حیثیت حاصل ہے وہ صرف اور صرف نبی کریم ﷺ کا طریقہ اور اسوۂ مبارک ہے آپ ﷺ کی طرف نسبت ہی اصلاً اسلام کی نسبت ہے باقی تمام نسبتیں یا تو اُستادی اور شاگردی کی تھیں یا پھر علاقائی تھیں، مذہب کی شکل انہیں اب دے دی گئی ہے۔

ابتداءً حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی وہ لوگ کہلاتے تھے جن کا تلمذ بالواسطہ یا بلاواسطہ ان شخصیات سے تھا اسی طرح بریلوی یا دیوبندی بھی وہی لوگ کہلاتے تھے جو اُن اِداروں سے سند یافتہ تھے، لیکن جیسے جیسے مسلکی تعصب بڑھتا گیا ویسے ویسے یہ نام مستقل مذہب کی شکل اختیار کرتے گئے ورنہ بریلوی یا دیوبندی کوئی مسلک نہیں ہے یہ انڈیا کی دو بستیاں ہیں اور یہ نسبتیں انڈیا کی بستیوں کی طرف ہیں۔

مسلمانوں کی ذہنی پستی کا یہ عالم ہے کہ یہودی غیر مسلم ہوکر بھی اپنے مذہب کی نسبت اپنے نبی کی طرف کرتے ہوئے یہودی کہلاتے ہیں اور عیسائی غیر مسلم ہوکر بھی اپنے مذہب کی نسبت اپنے نبی کی طرف کرتے ہوئے عیسائی کہلاتے ہیں، جب کہ آج مسلمانوں کی اکثریت اپنی جنت اور دوزخ کا مدار ہندوستان کی دو بستیوں پر رکھتے ہوئے بریلوی اور دیوبندی کہلانے میں فخر محسوس کرتی ہے۔ (اِنا للہ و انا اِلیہ راجعون)

لطیفہ

شیخ العرب والعجم اُستاذ العلماء علامہ سید بدیع الدّین شاہ صاحب راشدی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ ہے کہ کسی سفر میں ایک اجنبی ان کی برابر سیٹ پر

تشریف فرما ہوئے۔

دورانِ سفر تعارفی گفتگو ہوئی تو اس اَجنبی نے شاہ صاحب رحمہ اللہ سے پوچھا:

اَجنبی: ''حضرت جی ! آپ مذہباً کون ہیں؟''

شاہ صاحبؒ: ''میں مسلمان ہوں''

اَجنبی: ''جی وہ تو ماشاء اللہ شکل وصورت سے بھی ظاہر ہو رہا ہے میرا مطلب ہے جیسے بریلوی یا دیوبندی ہوتے ہیں اس لحاظ سے آپ کیا ہیں؟''

شاہ صاحبؒ: ''اس لحاظ سے میں سندھی ہوں''۔

اَجنبی: (حیران ہوکر) ''سندھی بھی کوئی مذہب ہے؟

میں نے پہلی مرتبہ سنا ہے''۔

شاہ صاحبؒ: ''جب بریلوی اور دیوبندی مذہب ہوسکتے ہیں تو سندھی مذہب کیوں نہیں ہوسکتا؟ جو انڈیا کی بستی بریلی میں رہتا ہوا سے بریلوی کہتے ہیں اور جو انڈیا کی بستی دیوبند میں رہتا ہوا سے دیوبندی کہتے ہیں، لیکن میں تو سندھ میں رہتا ہوں اس لئے میں بریلوی یا دیوبندی کیسے کہلوا سکتا ہوں؟

اس لحاظ سے تو میں سندھی ہی کہلاؤں گا۔

۳۔ **اولاً:** مولانا بٹالوی صاحب رحمہ اللہ کی پوری زندگی تقلید کی تردید کرتے گزری ہے اس لئے اس بات پر یقین ممکن نہیں۔

ثانیاً: یہ کہ اگر یقین کر بھی لیا جائے تو انہوں نے یہ بات بے علم لوگوں کیلئے کہی ہے جیسا کہ خود مفتی صاحب کی پیش کردہ عبارت سے عیاں ہے اگر اُنکی یہ بات درست ہے تو کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بعد سے اب تک حنفیوں میں سارے بے علم چلے آرہے ہیں اور تا حال کوئی اہل علم ان میں نہیں آیا جو یہ تقلید کو نہیں چھوڑ رہے؟

۴۔ تعجب ہے مفتی صاحب تقلید نہ کرنے والوں کو غیر مقلد بھی کہتے ہیں اور مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ کو غیر مقلدین کا پیشوا بھی لکھ رہے ہیں بھلا جن لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے مقابلے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بات کو بھی کوئی اہمیت نہ دی وہ لوگ مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ کی بات کو کیا اہمیت دیں گے؟ البتہ مقلدین کیلئے تو اُن کے پیشوا مطاع کا درجہ رکھتے ہیں اس لئے ان کے پیشواؤں کے اقوال پیش کئے جاسکتے ہیں چنانچہ شیخ الحدیث دار العلوم حقانیہ مولانا عبدالحق صاحب ۲۵ شوال ۱۳۹۷ھ دار العلوم حقانیہ کے تعلیمی سال کے افتتاح کے موقع پر دینی طلبہ کی ذمہ داریوں کے عنوان کے تحت نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''قلب کی مثال برتن کی ہے اگر برتن میں گندگی ہو اور آپ اس میں شہد یا گھی ڈال دیں تو وہ پلید ہوجائے گا، یہی وجہ ہے کہ بعض طلبہ معاذ اللہ دیوبند کے بھی قادیانی ہوگئے، ظرف جب پلید ہوتا ہے تو مظروف بھی پلید ہوجاتا ہے۔

(دعواتِ حق: ج۲ ص۴۴۲ طبع لاہور)

شیخ الحدیث دار العلوم حقانیہ کی شخصیت کوئی معمولی حیثیت نہیں رکھتی ان کا شمار اکابرین دیوبند میں ہوتا ہے اس حقیقت کا اظہار بھی انہوں نے اپنی کسی نجی محفل میں نہیں کیا بلکہ ایک جلسۂ عام میں کیا جس میں ملک بھر کے جید علماء اور فاضل طلبہ تمام موجود تھے۔

اب مفتی مطیع الرحمٰن صاحب بتائیں کہ دیوبند مدرسہ میں عمرِ عزیزت کے آٹھ آٹھ سال گزارنے کے بعد بھی قادیانی ہوکر ظرف بھی پلید اور مظروف بھی پلید کے مصداق بن جانے والے نام نہاد کون تھے؟

جنہیں نہ تو گلے میں پڑا تقلید کا طوق قادیانیت سے روک سکا اور نہ تقلید کی بیڑیاں ان کے قدموں کو گمراہی کی طرف جانے سے روک سکیں حتیٰ کہ دیوبند میں پڑھائے جانے والے ''پندرہ علوم'' بھی ان کے کام نہ آئے۔

اگر اختلاف رحمت ہے تو اتفاق واتحاد کو کیا کہیں گے؟

مفتی مطیع الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں:

یہ اِختلاف برا نہیں بلکہ پسندیدہ اور باعثِ رحمت ہے۔

(ہدایت یا گمراہی: ص۱۰۳)

جواب:-

۱۔ ہم نہیں جانتے کہ مفتی صاحب آخر اُمت کو لڑا کر اسلام کی کونسی خدمت انجام دینا چاہتے ہیں جبکہ قرآنِ مجید مسلمانوں کو اِختلاف مٹانے اور فرقہ واریت سے باز رہنے کا درس دیتا ہے۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

واعتصموا اللہ کی رسی (کتاب وسنت) کو

بحبل اللہ جمیعاً مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں

ولا تفرقوا تفرقہ نہ کرو۔

(سورہ الِ عمران:۱۰۳)

کیا جو چیز پسندیدہ اور رحمت کا باعث ہو، اللہ ﷻ اس باعث رحمت چیز سے بھی منع کرے گا؟ قرآنِ مجید کے منع کرنے سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اِختلاف نہ پہلے کبھی پسندیدہ رہا ہے اور نہ اس شریعت میں پسندیدہ ہے۔

۲۔ اگر مفتی صاحب کی عبارت کو درست تسلیم کرلیا جائے تو پھر اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ جس قدر اِختلاف زیادہ ہوگا اسی قدر رحمت زیادہ ہوگی؟ گویا جس ملک میں جس قدر فرقوں کی بہتات وکثرت ہوگی اس ملک پر اسی تناسب سے رحمت کے بادل منڈلاتے رہیں گے۔

مفتی صاحب خدا کیلئے سیدھے سادھے عوام کے حال پہ رحم کریں اور انہیں اِختلاف کا شکار نہ ہونے دیں ان سیدھے سادھے مسلمانوں کو اِختلاف کا درس نہ دیں بلکہ محبت، پیار، خلوص اور اتفاق واتحاد کا درس دیں جو اسلام کی اصل روح ہے۔

یہ فارمولا تو اسلام دشمن انگریزوں کا ہے کہ!

’’مسلمانوں کو لڑاؤ پھر ان پر حکومت کرو‘‘

آپ گلاسکو یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کرنے کا طعنہ تو محترمہ فرحت ہاشمی صاحبہ کو دیتے ہیں لیکن یہود ونصاریٰ کے اصولوں پر تو آپ عمل پیرا ہیں محترمہ فرحت صاحبہ نے تو اپنے دروس میں کبھی بھی اِختلاف کو باعثِ رحمت قرار دے کر اپنی طالبات کو اسکی ترغیب نہیں دلائی پھر انہیں کیوں موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔

؎ آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم گر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

کیا ''اختلاف امتی رحمة'' فرمانِ نبوی ﷺ ہے؟

اِعتراض۲۹:-

یہ اِختلاف برا نہیں بلکہ پسندیدہ اور باعثِ رحمت ہے جیسا کہ

ارشادِنبوی ﷺ ہے ''اختلاف امتی رحمة''............الخ

(ہدایت یا گمراہی: ص۱۰۳)

جواب:-

جناب مفتی مطیع الرحمٰن صاحب نے حدیث کی عبارت تو نقل کر دی لیکن حوالے کو سہواً نہیں بلکہ عمداً نظر اَنداز کیا کیونکہ حوالہ دینے سے صرف چور کی چوری کا ہی نہیں بلکہ سینہ زوری کا بھی پول کھل رہا تھا۔

اس موقع پر جناب مفتی صاحب نے بالکل عقیدے کے مریضوں کا طرز اپنایا ہے جو غیر اللہ کے نام کی نذرونیاز کے فضائل بیان کرنے کے بعد عوام الناس کی سادہ لوحی، اَندھی عقیدت اور دین سے عدم واقفیت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے حوالے کے طور پر کہہ دیا کرتے ہیں کہ اگر یقین نہ ہو تو ''موضوعاتِ شریف'' میں دیکھ لیں، حوالہ سنتے ہی سامعین وحاضرینِ مجلس، نعرۂ رسالت لگاتے ہوئے خطیبِ بے بدل کے تبحرِ علمی کی داد دیتے ہیں۔

جناب مفتی مطیع الرحمٰن صاحب کی پیش کردہ روایت ''اِختلاف امتی رحمۃ'' سے متعلق ان کے اپنے گھر کے بھیدی صاحبِ ''مرقاۃ شرح مشکوۃ'' حضرت علامہ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں؛

''لا اصل له'' اس روایت کا کوئی سر پیر نہیں ہے، بے سند اور بے اصل ہے۔

محترم مطیع الرحمٰن صاحب کی دلجوئی کیلئے عرض ہے کہ یہ بھی عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ آپ کی پیش کردہ روایت بھی موضوعاتِ شریفہ میں وارد ہے اگر یقین نہ آئے تو ملا علی قاری حنفی کی کتاب ''الموضوعات الکبریٰ: ص۵۱'' (قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی) ملاحظہ فرمائیں۔

مزید تسلی کیلئے ''سلسلہ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ'':

ج۱ص۷۷، ۷۶ کا مطالعہ بھی ان شاءاللہ مفید ثابت ہوگا۔

دومختلف طریقۂ علاج

مفتی مطیع الرحمٰن صاحب اپنے کمزور موقف کی تائید میں ایک عقلی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایلوپیتھک، ہومیوپیتھک اور یونانی طب ان سب کا بنیادی
مقصد صحت ہے لیکن سب کے علاج کے طریقہ کار میں
اِختلاف ہے تو کیا یہ اِختلاف مضر اور بُرا ہے؟ ہرگز نہیں یہ
اِختلاف مفید ہے۔ اِسی طرح اِختلافِ ائمہ ہے............''

(ہدایت یا گمراہی: ص۱۰۳)

جواب:-

طریقۂ علاج میں اِختلاف قطعاً مضر نہیں ہے البتہ مرض کی تشخیص میں اِختلاف ہو تو یہ یقیناً تباہ کن ہوگا مثال کے طور پر ایک مریض کسی اچھے ہسپتال میں داخل کیا گیا، چیک اپ کیلئے چار، پانچ ڈاکٹروں پر مشتمل ایک ٹیم تشکیل دی گئی، گھنٹہ بھر چیک اپ میں مصروف رہنے کے بعد تمام ڈاکٹرز مختلف نتائج پیش کرتے ہیں۔

- ایک کہتا ہے کہ اسے ٹی بی ہے۔

- دوسرا کہتا ہے کہ میری تشخیص میں اسے بلڈ کینسر ہے۔
- تیسرا کہتا ہے کہ اسے پیلیا ہے۔
- چوتھا کہتا ہے اس کے گردوں نے کام چھوڑ دیا ہے۔
- پانچواں کہتا ہے کہ مجھے ایڈز کا خدشہ ہے۔

کیا اِن چاروں پانچوں ڈاکٹروں سے علاج شروع کرادینا چاہئے یا نہیں؟

جناب مفتی صاحب اللہ نہ کرے کہ آپ بیمار ہوں لیکن اگر مرض لاحق ہو جائے تو کیا آپ پانچوں ڈاکٹروں کے اِختلاف کے باوجود "اختلاف امتی رحمة" سے استدلال کرتے ہوئے یہ فتویٰ صادر فرمائیں گے کہ پانچوں ڈاکٹروں کو چاہئے کہ وہ اپنی اپنی تشخیص کے مطابق مجھے ایک ایک انجکشن لگادیں اور ایک ایک کیپسول کھلادیں۔

اگر آپ کا جواب ہاں میں ہے تو پھر یقیناً آپکے علاج کا سارے کا سارا ثواب گورکن کے حصے میں آئے گا۔ تب آپ اپنے فتوے سے رجوع بھی کرنا چاہیں گے تو وقت اس کی اجازت نہ دے گا۔ کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إذا جاءَ أجلُهم لا يستأخِرونَ ساعةً ولا يَستقدِمون﴾

مسز سیما افتخار صاحبہ کے استفتاء کے مندرجات کا جواب

اِعتراض ۳۰:-

(ڈاکٹر صاحبہ) ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک شمار کرتی ہیں۔

(ہدایت یا گمراہی: ص ۱۲۰)

جواب:-

اسلام آباد کی ایک خاتون مسز سیما افتخار صاحبہ کے حوالے سے کتاب کے آخر میں چند مزید اِعتراضات کئے گئے ہیں اگرچہ ان اِعتراضات میں سے بیشتر کی حیثیت الزامات سے زیادہ کچھ نہیں ہے تاہم قارئین کی تشفی کیلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان مندرجات کے جوابات بھی قارئین کی نذر کر دیئے جائیں۔

ایک مجلس کی تین طلاقیں

انسانی کمزوریوں کو بھانپتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مسلمانوں کیلئے اسلام کی شکل میں ایک مکمل ضابطہ نازل کیا ہے، جس کے تحت ایک وقت میں ایک سے زیادہ طلاقوں کو اللہ نے ناپسند کیا ہے۔

انسان بغیر سوچے سمجھے غصے اور جذبات کی رو میں بہتا چلا جاتا ہے اور جو منہ میں آئے کہتا چلا جاتا ہے، جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اُسے سوچنے، سمجھنے اور اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کرنے کا موقع فراہم کیا ہے، اسلئے ایک مجلس میں کہے گئے اِیک سے زیادہ الفاظ کو شریعت نے ایک رجعی طلاق کے برابر تسلیم کیا ہے۔

فقہائے احناف کا نقطۂ نظر

اَحناف کے نزدیک طلاق کیلئے مجلس شمار نہیں ہوتی بلکہ طلاق کے تین الفاظ کی گنتی پوری کی جاتی ہے قرآن وسنت کی روشنی میں یہ نقطۂ نظر صحیح نہیں ہے۔

قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلطّلاق مرَّتانِ فامسَاکٌ بِمَعروفٍ اوُ تَسرِیُحٌ بِاحسان﴾

(سورة البقرة: ٢٢٩)

طلاق کے دومواقع ہیں جن کے بعد یا تو دستور کے مطابق روک لینا ہے یا پھر احسان کے ساتھ رخصت کردینا ہے۔

﴿مَرَّتانِ﴾ تثنیہ ہے جس کے معنی ﴿ مَرَّةً بعد مِرَّةٍ﴾ کے آتے ہیں یعنی ایک کے بعد دوسرا جیسے قرآنِ مجید میں آتا ہے سَنعَذِّ بُهم مرَّتین o (التوبہ:١٠١) ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے۔

دو مرتبہ عذاب کے معنی یہ ہیں کہ پہلے ایک عذاب ہوگا پھر وقفہ آئے گا پھر دوسرا عذاب ہوگا اور اگر پہلے عذاب کے بعد وقفہ ہی نہ ہو، یعنی پہلا عذاب ہی طویل ہو جائے تو دوسرے عذاب کا تصور کیسے کریں گے؟

یوں تو ایک ہی عذاب کہلائے گا! جب تک دو کے درمیان وقفہ اور فاصلہ نہ ہو تب تک دو کا تصور ممکن نہیں ہے۔

لفظ ''مرّةً'' ایک موقع یعنی ایک پیریڈ (Period) کا تقاضا کرتا ہے، اگر فقہائے احناف کا نقطۂ نظر صحیح ہوتا تو قرآنِ مجید میں لفظ '' مرة'' کو تثنیہ بیان کرنے کی بجائے لفظ ''طلاق'' کو تثنیہ بیان کیا جاتا ''الطلاق مرتان'' کی جگہ ''الطلاق طلاقان'' ہوتا جس کے معنی ہوتے کہ طلاقیں صرف دو ہی ہیں جبکہ ''الطلاق مرتان'' کے معنی یہ ہیں کہ طلاق کے مواقع دو ہیں۔

چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عہدِ رسالت ﷺ میں کسی شخص نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں یکبارگی تین طلاقیں دے دیں رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا تو آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا:

﴿أيُلعبُ بكتابِ اللهِ وانابينَ اَظهرِ كم﴾

(نسائی: کتاب الطلاق: ج ٢ ص ١٧٧)

میرے ہوتے ہوئے اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی اِس تعبیر و توضیح سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ایک وقت میں دی گئیں ایک سے زیادہ طلاقیں قرآن کے پیش کردہ نقطہ نظر کے خلاف ہیں، اگر حنفی نقطہ نظر درست ہوتا تو جنابِ رسالت مآب ﷺ بیک وقت دی گئیں تین طلاقوں کو کتاب اللہ کے ساتھ کھیلنے سے تعبیر نہ فرماتے۔

عہدِ نبوی ﷺ کی تین طلاقیں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ:

رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں ایک وقت کی تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جاتا تھا۔ (مسلم: کتاب الطلاق : ج ١ ص ٤٧٧، ٤٧٨)

جب لوگ کثرت سے طلاقیں دینے لگے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک تعزیری حکم جاری کرتے ہوئے فرمایا کہ: اب جس نے بھی جتنی طلاقیں دیں ہم اتنی ہی مان لیں گے۔

اس کا مقصد لوگوں کو اس ناپسندیدہ فعل سے باز رکھنا تھا، ورنہ یہ حکم شرعی نہیں تھا اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ حکم، شرعی حکم کا درجہ رکھتا ہوتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اِسے شرعی حکم تصوّر کرتے تو شریعت کا کام کرنے کے بعد خوشی محسوس کرتے پچھتاوی نہیں،

جبکہ سچ یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے پچھتاوی کیا۔

فاروقِ اَعظم رضی اللہ عنہ کا اَپنے فیصلے سے رُجوع

ابو مالک اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں:

﴿قال عمر بن الخطاب! مانَدِمتُ عَلٰی شَيءٍ نَدَامَتِي عَلٰی ثَلاثٍ أن لا أكونَ حَرَّمتُ الطلاق وعَلٰی أن لا أكونَ أنكحتُ الموالی وعَلٰی أن لا أكونَ قتلتُ النوائحَ﴾

(اغاثة اللهفان :إبن قيمؒ ج ١ ص ٤٩٣ ـ احياء التراث كويت)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اتنی ندامت وشرمندگی مجھے اپنے کسی کام پر نہیں ہوئی جتنی ندامت مجھے تین کاموں پر ہوئی ہے۔

۱۔ کاش کہ میں (ایک مجلس کی تین طلاقوں کو) حرام قرار نہ دیتا۔

۲۔ کاش کہ میں غلاموں/لونڈیوں کو نکاح کرنے کا حکم نہ دیتا۔

۳۔ کاش کہ میں نوحہ کرنے والیوں کو قتل کرنے کا حکم نہ دیتا۔

جب فتویٰ دینے والا خود اپنے فتوے پر ندامت کر رہا ہو تو کوئی دوسرا شخص اس کے اس فتوے کو دلیل کیسے بنا سکتا ہے؟

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اپنے اس حکم پر نادم ہونا ہی ان کا اس فتوے سے رجوع تصور ہوگا۔

عدالتِ نبوی کا فیصلہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رُکانہ رضی اللہ عنہ بن عبد یزید جو مطلب کے بھائی تھے انہوں نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں:

﴿فحزن عليها حزناً شديداً﴾ اس کے بعد بہت غمگین ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے،

﴿وسأله رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا!

﴿كيف طلقتها﴾ تو نے اسے کس طرح طلاق دی؟ اس نے عرض کی:

﴿طلقتُها ثلاثا﴾ میں نے اسے تین طلاقیں دی ہیں،

﴿قال فی مجلس واحد﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا ایک ہی مجلس میں؟

﴿قال نعم﴾ اس نے عرض کی ہاں (ایک ہی مجلس میں دی ہیں)

﴿قال فانما تلك واحدة فارجعها ان شئت﴾

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تینوں طلاقیں ایک (رجعی طلاق) کے حکم میں ہیں تو چاہے تو رجوع کر سکتا ہے، ﴿قال فراجعها﴾ کہا کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے رجوع کر لیا۔ (مسند أحمد: ج ١ ص ٢٦٥)

اگر شریعت کی نظر میں ایک مجلس میں کہے گئے طلاق کے تین الفاظ تین طلاقوں کا کام دیتے تو رکانہ رضی اللہ عنہ تین الفاظ کہہ چکے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سنتے

ہی فرمادیتے کہ اب کچھ نہیں ہوسکتا کیونکہ تو تین الفاظ کہہ چکا ہے لیکن آپ ﷺ نے سوال کیا ’فی مجلسٍ واحدٍ‘‘ طلاق کے تین الفاظ ایک مجلس میں کہے ہیں؟

اس سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت میں شمار طلاق کے الفاظ کا نہیں بلکہ مجلسوں کا ہے۔ اس حدیث کی رو سے فقہائے احناف کا موقف قطعی غلط ہے۔

؎ آنکھیں اگر بند ہوں تو پھر دِن بھی رات ہے
اِس میں بھلا قصور کیا بے چارے آفتاب کا

جب نبی کریم ﷺ کی عدالت سے ایک مجلس میں کہے گئے طلاق کے ایک سے زیادہ الفاظوں کو ایک رجعی طلاق کا درجہ دیا گیا ہے تو پھر بتلایئے اسلامی دنیا میں سید الانبیاء جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی عدالت سے بڑھ کر کس کی عدالت ہے؟

خدا کیلئے لوگوں کے گھر تباہ کرنے سے باز آئیں، اس لئے کہ جس فعل سے شیطان جتنا زیادہ خوش ہوتا ہے رحمان اس فعل سے اتنا زیادہ ناراض ہوتا ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو ناراض نہ کیجئے محمد عربی ﷺ کے فیصلے کے مطابق لوگوں کو ان کے گھر بسانے دیجئے کسی کے بچوں کو لاوارث ہونے سے بچایئے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپکے بچوں کا وارث بنے گا کسی کی بیٹی کے ماتھے پر طلاق کا ٹیکہ نہ سجایئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپکی بیٹیوں کے گھر بسائے گا، تقلیدی مذہب کو خیر باد کہئے قرآن وسنت کو سینے سے لگایئے کہ یہی دونوں جہاں میں مسلمان کی متاع ہے۔

طلاق اللہ کو ناپسند ہے

۱۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

﴿اِنّ اَبغضَ الحلال عند الله الطلاق﴾ (ابن ماجہ)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو چیزیں حلال کی ہیں ان حلال کردہ چیزوں میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔

۲۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: جو عورت بلا وجہ اپنے شوہر سے طلاق مانگے اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے۔ (مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

مندرجہ بالا احادیث سے اندازہ لگائیں کہ بلاوجہ طلاق کا مطالبہ کرنے والی عورت کے لیے جنت میں داخلہ تو بہت دور کی بات ہے جنت کی خوشبو بھی اس پر حرام ہے۔

طلاق انتہائی قدم ہے اس سے قبل نباہ کی ہر ممکن کوشش کی جائے اگر ایک فریق ضد پر اُتر آیا ہے اور اس نے صلح میں پہل کرنے کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا ہے تو دوسرے فریق کو چاہئے کہ وہ صلح میں پہل کرے، ویسے بھی فضیلت اسی شخص کو حاصل ہے جو صلح میں پہل کرے۔

پھر بھی فریقین سمجھتے ہیں کہ ازدواجی زندگی آئے دن کے جھگڑوں سے جہنم بن کر رہ گئی ہے اور صلح اور نباہ کا کوئی طریقہ کارگر ثابت نہیں ہو رہا تو ایسی ناگزیر صورت حال سے نمٹنے کیلئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خاوند کو طلاق کا حق اور بیوی کو خلع کا حق دیا ہے تاکہ دونوں ایک دوسرے کی زیادتیوں اور ظلم وستم سے نجات پا سکیں اِسے کھیل تماشا نہ سمجھا جائے نہایت سوچ سمجھ کر اپنے بڑوں سے نیز مخلص اور ہمدرد دوستوں سے مشاورت کے بعد یہ انتہائی قدم اٹھایا جائے ورنہ پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا پھر زندگی درج ذیل شعر گنگناتے گزر جائے گی۔

؎ زندگی میں دو ہی راہیں گزری ہیں بڑی کٹھن
اِک ترے آنے سے پہلے اِک ترے جانے کے بعد

طلاق جب ناگزیر ہو

جب گھر بسانے کی ہر کوشش ناکام ہوجائے اور طلاق کے سوا کوئی اور چارۂ کار نہ رہے تب وہ ایک رجعی طلاق پر اکتفاء کرے، لیکن بیوی کو اس رجعی طلاق کے بعد بھی گھر سے نہ نکالے اسے عدّت گھر میں گزارنے دے، شریعت کے ہر کام میں بڑی حکمتیں ہیں جو غرور اور تکبر اب تک دل و دماغ سے نہ نکل سکا تھا ہوسکتا ہے کہ طلاق کی پہلی گولی لگتے ہی دونوں کا دماغ ٹھکانے آجائے اور گھر بسانے کی راہ ہموار ہوجائے۔

۲۔ گھر میں رہنے سے رجوع کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔

جب گھر میں رہے گی تو خاوند کی خدمت کا موقع بھی میسر آئے گا ممکن ہے بیوی کی خدمت ہی خاوند کے ارادوں کا رخ پھیر دے ہمارے ہاں بعض مرتبہ بڑوں کے غلط اقدام کی وجہ سے بھی گھر برباد ہوجاتے ہیں مثلاً خاوند نے ایک رجعی طلاق دی بیوی نے روتے ہوئے جھٹ سے اپنے ابّا اور بھیّا کو فون کر دیا ابّا اور بھیّا فوراً حاضرِ خدمت ہوئے داماد کو دو چار گالیاں دیں اور بٹیا کا ہاتھ پکڑ کر گھر لے گئے، اَچھا میاں اب لینے آؤ گے تب بات ہوگی،

بیٹی سے کہا! بیٹی تم فکر نہ کرو ہم زندہ ہیں۔

اب کیا ہوگا؟

نہ دولہا میاں لینے آئیں گے اور نہ بیٹی سسرال جائے گی، داماد نے دلہن کو بجائے بلانے کے طلاق کا دوسرا نوٹس اور پھر تیسرا نوٹس بھیج دیا یوں بیٹی اپنے بڑوں کے غلط اِقدام کی بھینٹ چڑھ گئی۔

ے جسے سنبھال کر رکھا تھا ہم نے جان کی طرح
بھرم وہ ٹوٹ گیا ریت کے مکان کی طرح

حالانکہ دو رجعی طلاق تک میاں بیوی کا رشتہ قائم رہتا ہے یہاں پہلی رجعی طلاق کے بعد بیوی کو میاں پر حرام کر دیا جاتا ہے جو غلط اور خلافِ شرع اقدام ہے۔

ایک طلاق رجعی دے اور بیوی اس کے گھر میں رہے پھر اگر رجوع نہیں کرنا اور اپنے پہلے فیصلے کو برقرار رکھنا ہے تو دوسرے اور تیسرے طہر میں بھی دوبارہ یا سہ بارہ طلاق نہ دے بلکہ پہلی طلاق پر اکتفاء کرے، اگر خاوند نے رجوع نہ کیا ہوگا تو تین طہر پورے ہوتے ہی یہ ایک رجعی طلاق خود بخود طلاقِ بائنہ میں تبدیل ہوجائے گی، جس سے میاں بیوی کے درمیان لگی نکاح کی گرہ کھل جائے گی۔

اور دونوں اِس بندھن سے آزاد ہوجائیں گے اس طریقہ کار کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس نکاح کے ٹوٹ جانے کے بعد اور علیحدگی اختیار کر لینے کے بعد ایک عرصہ تنہائی میں گزار کر پھر اگر دونوں کا ارادہ دوبارہ رشتہ ازدواج سے منسلک ہونے کا بن جاتا ہے اور لڑکی کا ولی بھی راضی ہو تو ان کا نکاح دوبارہ ہوسکتا ہے، اور اس کیلئے فریقین کو حلالہ ملعونہ کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

جبکہ ہر طہر میں اگر ایک ایک طلاق دی جائے تو اس طرح تین طہر میں تین طلاقیں واقع ہو کر مغلظہ ہونگی اور عورت اپنے شوہر پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائے گی "حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ" یہاں تک کہ اس کا نکاح دوسری جگہ ہو۔

پھر اتفاق سے جیسے پہلے خاوند سے نہیں بنی، اسی طرح دوسرے شوہر سے بھی تنازعہ ہوجائے اور وہ بھی اپنی مرضی سے طلاق دے دے یا فوت ہو جائے تو عدت پوری ہونے کے بعد اب اس خاتون کا پہلے شوہر کے ساتھ ولی کی اجازت سے دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے ورنہ نہیں۔ جبکہ پہلی صورت میں "حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ" کی قید نہیں ہے۔

دین آسان ہے

اِعتراض ۳۱:-

(ڈاکٹر صاحبہ کہتی ہیں) علماء دین کو مشکل بناتے ہیں اور آپس میں لڑتے ہیں۔ (ہدایت یا گمراہی: ص ۱۲۹)

جواب:-

مفتیانِ متین دیانت داری سے بتائیں کہ کیا فی الواقع ایسا نہیں ہے؟

کیا ہماری مذہبی لائبریریاں اس کا زندہ ثبوت فراہم نہیں کر رہیں؟

کسی ایک فرقے کا نام لیجیے، جس نے مسلمانوں کے دوسرے فرقوں کے خلاف قلم نہ اُٹھایا ہو اگر ایک فریق اپنی کتاب کا نام ''دھاکہ'' رکھتا ہے تو دوسرا جواب میں لکھی جانے والی کتاب کو ''زلزلہ'' کا نام دیتا ہے تیسرا ''زلزلہ در زلزلہ'' لکھ کر اپنی تسکین کا سامان پیدا کرتا ہے۔

زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں ہے مکتبہ بنوریہ کراچی کی شائع کردہ دونوں کتب ''الھدیٰ انٹرنیشنل کیا ہے؟'' اور ''ہدایت یا گمراہی'' محترمہ ڈاکٹر صاحبہ کے اس موقف کی تائید کیلئے کافی ہیں۔

پھر بھی ہم سے گلہ ہے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں، تُو بھی تو دلدار نہیں

لمحۂ فکریہ

محترم جناب تقی عثمانی صاحب کے والدِ گرامی محترم جناب مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ اپنی کتاب وحدتِ اُمّت میں لکھتے ہیں ان میں بعض حضرات کا غلو تو یہاں تک بڑھا ہوا ہے کہ اپنے سے مختلف رائے رکھنے والوں کی نماز کو فاسد اور ان کو تارک قرآن سمجھ کر اپنے مخصوص مسلک کی اس طرح دعوت دیتے ہیں جیسے کسی منکر اسلام کو اسلام کی دعوت دی جا رہی ہو اور اسی کو دین کی سب سے بڑی خدمت سمجھے ہوئے ہیں۔ (وحدتِ اُمّت: ص ۲۷)

اس سے محترمہ ڈاکٹر فرحت صاحبہ کے موقف کی نہ صرف تائید ہوتی ہے بلکہ وضاحت بھی ہو جاتی ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ

والد محترم جناب حکیم عبدالحمید صاحب (مرحوم) جماعتِ احرار کے بانی سید عطاءاللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ سے متعلق واقعات سنایا کرتے تھے جن میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے اپنے ایک خطاب میں فرمایا!

''میں ایک مسجد میں نماز کے بعد کچھ دیر کیلئے بیٹھا اتنے میں ایک صاحب آئے اور مسجد کے ایک کونے میں کھڑے ہو گئے اور تکبیر تحریمہ کہہ کر تحت السرہ ہاتھ باندھ لئے، شاہ صاحب رحمہ اللہ فرمانے لگے کہ میں سمجھ گیا کہ یہ حنفی ہے اتنے میں ایک اور صاحب آئے اور انہوں نے سینے پر ہاتھ باندھ لئے، اسے بھی سمجھ گیا کہ یہ اہل حدیث ہے، اتنے میں ایک اور صاحب آئے انہوں نے ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنی شروع کر دی، اسے بھی سمجھ گیا کہ یہ اثنا عشری (شیعہ) ہے۔

ایک چوتھے صاحب آئے اور انہوں نے گردن میں ہاتھ ڈال دیئے اور میں سوچتا رہا کہ یہ کونسا مسلک ہوگا؟ چونکہ میں نے پہلی مرتبہ ایسا دیکھا تھا، اُس شخص کے سلام پھیرنے کے بعد میں ان کے قریب ہوا اور ان سے ان کا مسلک جاننا چاہا کہ باقی تو میں سب کو جانتا ہوں لیکن تیرا مسلک میری نظر میں نیا ہے۔

والد صاحب فرماتے تھے کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ اس کا جواب سناتے ہوئے آبدیدہ ہوگئے!

اُس نے کہا کہ پہلے میں ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھا کرتا تھا ایک دِن کسی مسجد میں گیا، انہوں نے مجھے نماز پڑھتے دیکھ کر کہا کہ تو کافر ہے اس طرح تو شیعہ نماز پڑھتے ہیں مسلمان تو سینے پر ہاتھ باندھتے ہیں، میں نے ان کی بات مان کر سینے پر ہاتھ باندھ لئے۔

پھر ایک دن دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا تو انہوں نے دیکھ کر کہا کہ تو کافر ہے، غیر مقلد اور لا مذہب ہے، مسلمان تو تحت السرہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہیں، میں نے تحت السرہ باندھ لئے۔

پھر ایک دن تیسری مسجد میں جانے کا اتفاق ہوا تو انہوں نے مجھے نماز پڑھتے دیکھ کر کہا، حنفیوں والی نماز پڑھتا ہے، تو کافر ہوگیا ہے کیا؟ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھا کر یہی مسلمانوں کا طریقہ ہے وہ کہنے لگا کہ!

شاہ صاحب کیا کروں؟

ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھی تو بھی کافر ہی کہلایا!

تحت السرہ ہاتھ باندھے تب بھی کافر کہلایا!

سینے پر ہاتھ باندھے تب بھی کافر کہلایا!

اب اِن سارے طریقوں سے تنگ آ کر میں نے ایک نیا طریقہ نکالا ہے جس کا مولویوں کو علم ہی نہیں ہے کہ یہ کونسا مسلک ہے؟ لہٰذا انہیں میرے مسلک کا پتا چلے گا اور نہ کوئی مجھے کافر کہے گا۔

یہ واقعہ سنا کر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ علماء نے اپنے کفر کے فتووں سے دین کو اتنا پیچیدہ بنا دیا ہے کہ عوام الناس قرآن وسنت سے راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہیں تا کہ وہ کفر کے فتووں کی زد سے بچ سکیں اور یہ ایک ایسی کھلی حقیقت ہے کہ عصرِ حاضر میں بھی اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

ظلم تو یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ علماء اپنی ذمہ داری کو سمجھتے اور عوام الناس کو اخوت، مودّت اور محبت کا درس دیتے اُلٹا ''اختلاف امتی رحمۃ'' کو فرمانِ نبوی ﷺ قرار دے کر جنگ وجدل کی ترغیب دی جارہی ہے۔

(یا للعجب)

اِعتراض ۳۲:-

(ڈاکٹر صاحبہ کہتی ہیں کہ) اگر کسی مسئلے میں صحیح حدیث نہ ملے تو ضعیف لے لیں......لیکن قیاس پر عمل نہ کریں......الخ۔ (ہدایت یا گمراہی: ص ۱۲۱)

جواب:-

یہ صرف ڈاکٹر صاحبہ کا ہی نظریہ نہیں ہے بلکہ سونے پر سہاگہ یہ کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ سمیت متعدد محدثین کا قول ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنا قیاس پر عمل کرنے سے بہتر ہے۔

چنانچہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں:

﴿أصحاب أبی حنیفة رحمة الله مجمعون علی أن مذهب أبی حنیفة أن ضعیف الحدیث عنده أولٰی من القیاس والرأی، وعلی ذلک بنی مذهبه﴾ (اِعلامُ المُوقّعین)

احناف کا اس بات پر اجماع ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ ضعیف حدیث اُن کے نزدیک قیاس اور رائے سے بہتر ہے اور اسی پر اُن کے مسلک کی بناء ہے۔

تضاد بیانی

اِعتراض ۳۳:-

(ڈاکٹر صاحبہ کے نزدیک) ضعیف حدیث پر عمل کرنا تقریباً ایک جرم ہو کر رہ گیا ہے۔

(ہدایت یا گمراہی: ص ۱۲۱)

جواب:-

دراصل انسان کسی حال میں راضی نہیں ہے!

- اِعتراض نمبر ۳۲ میں یہ شکوہ ہے کہ ڈاکٹر صاحبہ کو صحیح حدیث نہ ملے تو ضعیف پر عمل کا مشورہ دیتی ہیں۔
- اور اِعتراض نمبر ۳۳ میں یہ شکوہ ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنا ان کے نزدیک ایک جرم ہو کر رہ گیا ہے یعنی ضعیف حدیث کے قطعی خلاف ہیں۔

ظاہر ہے ان دونوں متضاد باتوں میں سے ایک تو ضرور غلط ہے۔

اور وہ کونسی ہے؟

یہ فیصلہ آپ کے ذمہ ہے......!!

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی

اِعتراض ۳٤:-

(ڈاکٹر صاحبہ نے) ایک موقع پر کہا (ان مدارس میں جو سات سات سال آٹھ آٹھ سال کے کورس کرائے جاتے ہیں یہ دین کی روح کو پیدا نہیں کرتے، بلکہ اپنی فقہ کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں) اشارہ درس نظامی کی طرف ہے۔ (ہدایت یا گمراہی: ص ۱۲۱)

جواب:-

اس کا حل یہ نہیں تھا کہ آپ ایک سو اٹھائیس صفحات پر مشتمل ایک کتاب تحریر کر ڈالیں اور عوام الناس کو یہ باور کرانے کی کوشش کریں کہ یہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ ہم سے عداوت اور دشمنی کا ثبوت ہے، بلکہ مثبت سوچ رکھتے ہوئے یہ بھی تو سوچا جا سکتا تھا کہ کہنے والے نے ہم سے ہمدردی اور خیر خواہی کرتے ہوئے ہماری کوتاہیوں اور خامیوں کی نشاندہی کی ہے ہم ان شاء اللہ انہیں ختم کر کے کہنے والے کے خیال کو غلط ثابت کریں گے۔

یہ مسئلہ صرف کسی ایک دینی مدرسے کا نہیں اور نہ محترمہ فرحت صاحبہ نے کسی حنفی ادارے کو نشانہ بنایا ہے، بلکہ یہ بات ایک عمومی تجزیے کا نتیجہ ہے۔

مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ''وحدتِ اُمّت'' کا مطالعہ کریں تو یہ بات آپ پر کھلے گی کہ اس حقیقت کا اعتراف انہیں بھی ہے حتی کہ علامہ اقبال نے بھی اسی بات کا رونا روتے ہوئے کہا!

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا، تلقینِ غزالی نہ رہی

اس حقیقت کا اعتراف عصرِ حاضر کے اسکالرمحترم جناب محمد تقی عثمانی صاحب بھی کر چکے ہیں اگر یقین نہ آئے تو موصوف کی کتاب ’’ہمارا تعلیمی نظام‘‘ ہمارے موقف کیلئے ایک سند ثابت ہوگی۔

حوالے اور ثبوت کے طور پر چند اقتباسات پیشِ خدمت ہیں۔

۱۔ اس وقت ہمارے نظام تعلیم میں جو خلا محسوس ہوتا ہے یا اس میں جو نقائص پیدا ہوگئے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

دینی مدارس کو عربی زبان سے جو خصوصی تعلق ہے، وہ محتاج بیان نہیں، عربی زبان تمام دینی علوم کیلئے بنیادی زینے کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن ہمارے مدارس میں عربیت کا ذوق اور عربی تحریر وتقریر کا ملکہ افسوسناک حد تک نایاب ہے، اچھی استعداد رکھنے والے طلبہ زیادہ سے زیادہ عربی کتابیں سمجھنے کی صلاحیت تو پیدا کر لیتے ہیں، لیکن عربی تحریر وتقریر کی مشق سے...... الا ماشاءاللہ...... بالکل عاری ہوتے ہیں۔

اکثر متوسط درجے کے طلباء کی بھی عبارت خوانی تک درست نہیں ہوتی، اور عربی میں مضمون نگاری، تصنیف وتالیف یا تقریر وخطابت تو اچھے اچھے صاحب استعداد طلبہ کیلئے بھی کبریت احمر کا درجہ رکھتی ہے۔

(ہمارا تعلیمی نظام: ص ۱۹۵ از جسٹس (ر) تقی عثمانی)

۲۔ نصاب کے سلسلے میں آخری گزارش یہ ہے کہ قویٰ کے مسلسل انحطاط اور مسائل کی پیچیدگیوں کی بنا پر عرصے سے یہ بات محسوس ہو رہی ہے کہ دورۂ حدیث کیلئے ایک سال کی مدت ناکافی ہے، اس مختصر وقت میں حدیث پاک پڑھنے پڑھانے کا حق ادا نہیں ہو پاتا اور عموماً ہوتا یہ ہے کہ حدیث کے صرف معدودے چند ابواب تحقیق وتفصیل کے ساتھ ہو پاتے ہیں کہ سال ختم ہونے لگتا ہے اور اس کے بعد کے حصے تکمیل نصاب کی بھاگ دوڑ کی نذر ہو جاتے ہیں

ایک صحیح البخاری رحمہ اللہ کو لے لیجئے، استاذ اور شاگرد شب وروز محنت کرنے کے باوجود آخر سال میں انتہائی بھاگ دوڑ پر مجبور ہو جاتے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ صحیح بخاری رحمہ اللہ کا کوئی بھی حصہ ایسا نہیں جسے رواداری میں گزار دیا جائے۔

(ہمارا تعلیمی نظام: ص ۱۰۵: از جسٹس (ر) تقی عثمانی)

۳۔ ایک اہم واقعہ بھی آپ کے گوش گذار کروں جو اہم بھی ہے اور عبرت خیز بھی قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوا کرتا تھا اور سیدی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے ایک سال اسی جلسہ پر تشریف لائے میں بھی آپ کے ساتھ تھا ایک صبح نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت سر پکڑے ہوئے بہت مغموم بیٹھے ہیں، میں نے پوچھا حضرت کیسا مزاج ہے؟ کہا ہاں! ٹھیک ہی ہے میاں مزاج کیا پوچھتے ہو، عمر ضائع کر دی!

میں نے عرض کیا حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں، دین کی اشاعت میں گزری ہے، ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں، مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں، آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی!

فرمایا! میں تمہیں صحیح کہتا ہوں، عمر ضائع کر دی!

میں نے عرض کیا، حضرت بات کیا ہے؟

فرمایا! ہماری عمر کا، ہماری تقریروں کا،

ہماری ساری کدوکاوش کا،

خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں، یہ رہا ہے، محور ہماری

کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا!

اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز پر عمر برباد کی؟

(وحدتِ امّت: ص ۱۵- از مولانا مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ)

۴۔ ''قلب کی مثال برتن کی ہے اگر برتن میں گندگی ہو اور آپ اس میں شہد یا گھی ڈال دیں تو وہ پلید ہو جائے گا''، یہی وجہ ہے کہ بعض طلبہ معاذ اللہ دیوبند کے بھی قادیانی ہو گئے، ظرف جب پلید ہوتا ہے تو مظروف بھی پلید ہو جاتا ہے۔

(دعواتِ حق: ج ۲ ص ۴۴۲ طبع لاہور، از مولانا عبدالحق صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ)

اُمید قوی اور گمان غالب ہے کہ صاحبِ ''ہدایت یا گمراہی'' کا محترمہ ڈاکٹر صاحبہ سے شکوہ ختم ہو گیا ہوگا اور کافی تسلی اور تشفی کا سامان میسر آ چکا ہوگا کہ جن اداروں سے متعلق ان کے اکابرین ہی مطمئن نہیں ہیں دوسروں سے اطمینانِ قلب کی توقع کیوں کر رکھی جاسکتی ہے؟

کیا اسلامی روح ختم ہونے کیلئے جناب مولانا انور شاہ صاحب کاشمیری رحمہ اللہ کی یہ بے چینی اور اظہارِ خیال کافی نہیں کہ ہماری ساری تقریروں، تحریروں اور کدو کاوش کا ایک ہی محور رہا ہے کہ ہم دیگر مسالک پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں اب سوچتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں کہ عمرِ عزیز کو کس چیز میں برباد کیا۔

ہماری گزارش ہے کہ آخری عمر میں آ کر کہیں آپ کو بھی یہ پچھتاوا نہ ہو بہتر یہی ہے کہ اللہ کی دی ہوئی مہلت سے فائدہ اٹھائیں اور ابھی سے فکر کریں تا کہ پچھتاوے سے بچا جاسکے۔

پلا دے آج ہی کل کے لیے جو رکھی ہے
کہ زندگی کا کسے اِعتبار ہے ساقی

خلاصۂ تحریر

۱۔ حالتِ حیض میں تلاوتِ قرآنِ مجید کا جواز ہے۔

۲۔ قضائے عمری کا کوئی ثبوت نہیں اُس کیلئے صرف توبہ کافی ہے۔

۳۔ خواتین کے طریقۂ نماز کا مردوں سے مختلف ہونا اَحادیث سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔

۴۔ خواتین کا مسجدوں میں جمعہ وغیرہ کے اِجتماعات میں شریک ہونا شرعاً جائز ہے

۵۔ تقلیدِ شخصی حرام اور اِتباعِ رسول ﷺ فرض ہے۔

۶۔ جاندار چیزوں کی تصویریں حرام ہیں چاہے ہاتھ سے بنی ہوں یا کیمرے سے یکساں حکم رکھتی ہیں، (بحالتِ مجبوری مثلاً شناختی کارڈ اور پاسپورٹ وغیرہ کے لیے علماء جواز کے قائل ہیں)۔

۷۔ پردے کے احکامات میں چہرہ شامل ہے۔

۸۔ بحالتِ مجبوری خواتین مرد ڈاکٹروں سے علاج کرا سکتی ہیں۔

۹۔ عورت عورتوں کی امامت کرا سکتی ہے۔

۱۰۔ اختلافِ اُمّت رحمت نہیں ہے، بلکہ اتفاق واتحاد رحمت ہے۔

۱۱۔ ایک مجلس میں دی گئیں ایک سے زائد طلاقیں ایک رجعی طلاق کا حکم رکھتی ہیں، شریعت نے خاوند کو طلاق کے تین لفظوں کا نہیں بلکہ تین موقعوں کا حق دیا ہے۔

۱۔ صلوٰۃ النبیؐ کے حسین مناظر

ضخامت.................۵۰۲صفحات

موضوع:...........نماز کے جملہ اِختلافی مسائل کا حل

کتاب وسنت کی روشنی میں۔

خوبصورت جلد،فورکلر ٹائٹل،مع تخریج،اس کتاب کے بارے میں ڈائیریکٹر پبلک لائبریریز پنجاب محترم جناب پروفیسر عبدالجبار شاکر صاحب کے تأثرات،''اس کتاب کا اُسلوبِ بیان سادہ،سلیس،رواں،واضح اور جاذبِ نظر ہے،مختلف مسائل کا جس عمدگی سے احاطہ کیا گیا ہے اس نے اس کتاب